وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل ۴۴)

يَسْـَٔلُونَكَ

قرآنِ مجید اور احادیث میں وارد نبی اکرم ﷺ سے کیے گئے سوالات کی ترتیب اور تشریح
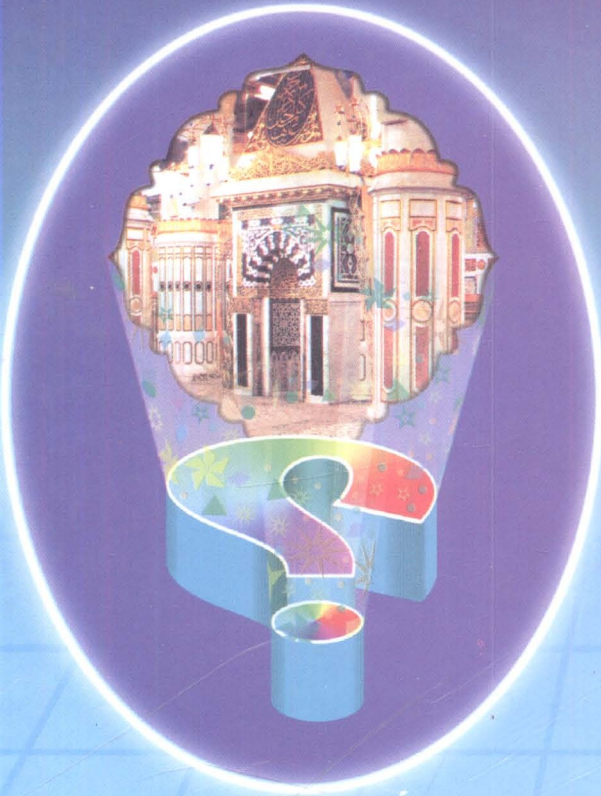
ترتیب وتدوین

پروفیسر نجیب الرحمن کیلانی

یسئلونک

ترتیب

پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی

مکتبۃ السلام سٹریٹ ۲۰ وسن پورہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ____ یَسْئَلُوْنَکَ

زیر سرپرستی ____ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کیلانی

اہتمام ____ پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی 7844157

طبع دوم ____ جولائی:2005

تعداد ____ 2100

کمپوزنگ ____ بلال جاوید۔قاسم گرافکس،

حبیب پارک، منصورہ، لاہور

طابع ____ ڈاکٹر حافظ شفیق الرحمٰن کیلانی

انجینئر حافظ عتیق الرحمٰن کیلانی

ناشر: **مکتبۃ السلام** سٹریٹ نمبر:20، وسن پورہ لاہور

فون: 7844157-7280943

قیمت ____ -/75روپے

دستری بینر

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک
DARUSSALAM

ہیڈ آفس ومرکزی شوروم | 36 - لوئر مال، سیکرٹریٹ شاپ، لاہور

فون: 711 1023 , 711 0081 , 723 2400 , 724 0024 فیکس: 735 4072

E-mail: darussalampk@hotmail.com Website: www.dar-us-salam.com

شوروم اردو بازار | غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 712 0054 فیکس: 722 0703

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

مدت مدید سے میرے ذہن میں خیال آ رہا تھا کہ قرآن مجید کے بعض مضامین کو کتابی صورت میں جمع کروں مگر چونکہ بہت سے علماء کرام قرآنی علوم میں خوشہ چینی کر چکے تھے۔اس لیے میں کچھ لکھنے کی ہمت نہ کر سکا مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے' مگر اپنی بخشش اور رفع درجات کے لیے قلم اٹھا رہا ہوں۔ اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو میری کم فہمی ہے' امید ہے کہ قارئین کے لیے مفید ہوگی۔

قرآن مجید کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس میں کام نہ کیا گیا ہو اور قیامت تک یونہی کام ہوتا رہے گا کہ یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے سوچ بچار کے بعد وہ اہم مسائل میرے ذہن میں آئے جن کی ابتدا قرآن مجید میں **یسئلونك** سے ہو رہی ہے یہ قرآن مجید میں کل 14 مقامات ہیں اور میں نے قرآنی ترتیب کو ہی ملحوظ رکھا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ باب دوم میں **یستفتونك** سے شروع ہونے والے مسائل بھی تحریر کر دیئے ہیں۔تیسرے باب میں نبی اکرم ﷺ سے پوچھے جانے والے وہ سوالات ہیں جو کہ وحی خفی (احادیث) میں مذکور ہوئے ہیں۔احادیث کا ساتھ حوالہ بھی درج ہے تا کہ اصل کتاب سے تلاش کرنے میں آسانی ہو' محترم مبشر احمد ربانی صاحب حفظہ اللہ بہت زیادہ شکریے کے مستحق ہیں۔جنہوں نے کتاب کو پڑھا اور اس کے لیے تقریظ بھی لکھی۔اللہ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔بتقاضائے بشریت اگر اس کتاب میں آپ کو کوئی خامی یا نقص نظر آئے۔تو ضرور آگاہ فرمائیں۔تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے لیے اور میرے والدین محترمین اور اساتذہ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بنائے۔کہ آج میں جس مقام پر ہوں وہ انہی کا مرہونِ منت ہے۔محترم والدین

کے اصول اور فیصلے ہمیشہ میرے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ان کے دانش مندانہ اقوال ہر کڑے وقت میں میری راہنمائی کرتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو اس کتاب کے مندرجات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

والسلام

نجیب الرحمٰن کیلانی

جامع مسجد الایمان' شاہ فرید آباد ملتان روڈ لاہور

پیش لفظ (طبع دوم)

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس نے "یسئلونک" کو شرف قبولیت بخشا۔کتاب کافی دیر سے ختم تھی۔اس میں کچھ اضافہ کرنا مقصود تھا۔اس لیے تاخیر ہوتی گئی۔میں قارئین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اغلاط کی نشاندہی اور مفید مشوروں سے نوازا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو میرے لیے اور قارئین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔آمین۔

نجیب الرحمٰن کیلانی

تقریظ

نحمدہ و نصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے رشد و ہدایت اور فوز وفلاح کے لیے احکام اپنی جانب سے نازل فرمائے اور مختلف ادوار ومقامات پر انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبعوث کر کے ان پر وحی نازل کی۔ اور اس وحی کا اختتام ہمارے آخری نبی ورسول محمد ﷺ پر ہوا اور قرآن حکیم جیسی لاریب کتاب کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں بھولی ہوئی انسانیت کے لیے پرمغز پر پیغام بھیجا ہے اور تا قیام قیامت یہ کتاب اللہ کی مخلوق کی راہنمائی کرتی رہے گی۔ یہ صرف قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ اس کے نزول سے لے کر اب تک اس سے علم وعرفان اور رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں اور اختتام دنیا تک یہ گلشن وحی تروتازہ رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں علماء' فقہاء' محدثین' مفسرین' مجتہدین اور مدرسین مختلف انداز میں اس کی خدمت میں مصروف عمل ہیں اور ہر کسی نے اپنے علم وعرفان کے مطابق اسکی شرح میں حظ وافر صرف کیا ہے۔ اور اس کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہو کر بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے لعل وجواہر جمع کیے ہیں۔ اور ہر کوئی اپنی کم مائیگی اور تیہی علم کا شکوہ کرتا رہا ہے قرآن حکیم کی تفسیر کے اسی سموط ذہبیہ اور سلسلہ مروارید یہ کی ایک کڑی کیلانی خاندان بھی ہے مولانا عبدالرحمان کیلانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے قرآن حکیم کی گراں قدر خدمت سر انجام دی ''تیسیر القرآن'' اور ''مترادفات القرآن'' ان کے علمی شہ پارے آج ہر خاص وعام کے ہاتھوں دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

ان کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے خلف الرشید فاضل نوجوان محترم

المقام پروفیسر نجیب الرحمان کیلانی **حفظه الله و صانه من کل تلهف و تأسف** نے بھی حسب مقدور اس عظیم کام میں قدم رکھا۔ اور اپنے والد بزرگوار کی یادیں تازہ کر دیں۔ اور قرآن حکیم کے وہ مخصوص مقامات جہاں "**یسئلونك**" اور "**یستفتونك**" کے ذریعے امت کے سوالوں کے جوابات نقل کیے گئے ہیں۔ ان کی نہایت جامع، سہل و سلیس انداز میں شرح کر دی ہے جو کہ قاری کے دل میں بڑے ہی بہتر انداز میں جاگزین ہو جاتی ہے۔ پروفیسر نجیب الرحمان صاحب واقعی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ وقیع کام بڑی دلجمعی اور خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ ان کی کتاب دیکھ کر صمیم قلب سے دعا ہے کہ اللہ ان کے علم، عمل، عمر، رزق، مال اور اہل وعیال میں خصوصی برکات اور انوار قدسیہ نازل فرمائے۔

(آمین)

اور ان کی اس تالیف کو گم گشتگان راہ اور جویانِ حق کے لیے مشعل راہ بنا دے۔

راقم قاری سے التماس کرتا ہے کہ وہ ان کی کتاب کو اپنے گھر، دفاتر، اداروں اور لائبریریوں کی زینت بنائے اور اس سے کما حقہ استفادہ کرے۔

اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو بھی ان جیسے اہل علم کی راہ پر چلنے کی توفیق بخشے اور اپنے دین حنیف کے لیے کام لے۔ (آمین)

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ

۶/۶/۱۴۲۴ھ ۵/۸/۲۰۰۳ء

تعارف قرآن مجید

قرآن مجید وہ اعلیٰ وارفع کلام ہے جو اشرف الانبیاء پر لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل کیا گیا۔ وہ نبی اور رسول جس کی شریعت تمام شریعتوں سے افضل‘ جس کی امت تمام امتوں سے افضل اور اس پر نازل کردہ کتاب دنیا کی سب کتابوں سے مبارک وعظیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ خاتم الانبیاء والمرسلین پر نازل کیا گیا۔ یہ قرآن ان زبانوں سے پڑھا گیا جن کے سامنے یہ نازل ہوا۔ مصاحف میں لکھا گیا اور تواتر کے ساتھ ہم تک منقول ہوا ہے اس کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے اور بہت بڑے اجر وثواب کی بشارت دی گئی ہے۔

اعجاز قرآن:

قرآن جب نازل ہو رہا تھا۔ تو اس نے عرب کے لوگوں کو جو اپنے آپ کو بہت فصیح سمجھتے تھے اور غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ کسی سے یہ کلام لکھوا کر لاتے ہیں۔ خود بنا لاتے ہیں‘ یہ اس کی اپنی تخلیق ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو چیلنج کیا کہ اگر یہ کلام انسانی ہے تو تم بھی اس طرح کا کلام بنا کر دکھاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۸)

”کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو اس جیسا قرآن نہ لاسکیں گے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“

قرآن حکیم اسلوب کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے۔ معانی و مطالب کا بحر بے کراں ہے۔ تمام لوگ اپنی بھرپور کوششوں کے باوجود اس کی نظیر پیش نہ کر سکے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نرمی کردی کہ صرف دس سورتیں بنا کر دکھاؤ۔ پھر بھی وہ کچھ نہ کر سکے۔ اس کے بعد مزید سہولت پیدا کرتے ہوئے صرف ایک سورت بنانے کا چیلنج کیا۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۳'۲۴)

''اگر تمہیں اس کلام میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ' اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے سب ہم نواؤں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور یقیناً کر بھی نہ سکو گے تو پھر اس دوزخ کی آگ سے ڈر جاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔ یہ ایسے ہی کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ انبیاء کو ایسی چیز معجزہ دی جاتی ہے جس کی اس زمانہ میں دھوم مچی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ساحری اپنی انتہائی بلندی کو پہنچی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے جن کے آگے فرعون کے بڑے بڑے جادوگروں کو سربسجود ہونے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اپنی انتہائی بلندیوں کو پہنچی ہوئی تھی بقراط' ارسطالیس' لقمان اور جالینوس جیسے حکماء کا ڈنکا بجتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے جو ان حکماء کی دسترس سے ماوراء تھے۔ بھلا کون سا حکیم مردوں کو زندہ کر سکتا تھا۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے شعراء میں باہمی مقابلے ہوتے تھے۔ اور مقابلہ میں بہترین قرار دیئے جانے والے شعراء کا کلام

کعبہ کے دروازہ پر لٹکا دیا جاتا تھا سبع معلقات اسی دور کی یادگار ہے۔ جو آج بھی متداول ہیں۔ ایسے ہی شعراء' ادباء اور خطباء کو اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا اور فرمایا کہ اپنے سب مددگاروں' جنوں' انسانوں اور اپنے دیوتاؤں اور معبودوں سب کی مدد لے کر اس قرآن جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ لیکن یہ سب لوگ ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہے۔ قرآن کا اعجاز صرف فصاحت و بلاغت تک ہی محدود نہ تھا۔ اس کے مضامین کی ندرت' حقائق سے نقاب کشائی اور غیب کی اطلاعات ایسے اوصاف تھے جو انسان کی بساط سے باہر تھے۔ پھر انہیں جو سب سے بڑی تکلیف تھی کہ یہ کلام ان کے دلوں میں اتر جاتا تھا۔ جس سے وہ بچ نہ سکتے تھے۔ حتیٰ کہ کسی کہنے والے نے یوں کہا:

((واللہ ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اسفله لمغدق وان اعلاہ لمثمر وانه لیعلوا وما یُعلیٰ علیه وما تقوله بشر))

''اللہ کی قسم اس کی ایک حلاوت ہے' اس کے اوپر خوبصورتی ہے اس کا نچلا حصہ سرسبز ہے اور اوپر کا حصہ ثمر بار ہے۔ یہ ہمیشہ غالب آتا ہے۔ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ کوئی آدمی ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔''

قرآن مجید کا اعجاز:

(۱) پہلے انبیاء کو جتنے معجزات عطا کیے گئے وہ سب وقتی اور عارضی تھے۔ کسی نے دیکھے اور کسی نے صرف سنے تھے۔ مگر قرآن کو سب دیکھ سکتے ہیں۔ نزول قرآن سے لے کر تا قیامت دیکھ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک زندہ جاوید' دائمی اور لازوال معجزہ ہے۔

(۲) اس کی اعجازی حیثیت صرف یہی نہیں کہ اس دور کے فصحاء و بلغاء اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہ گئے تھے۔ بلکہ آج تک اس کی زبان' ادب کی زبان تسلیم کی جاتی ہے۔ جو درجہ اردوئے معلیٰ کو حاصل ہے وہی درجہ قرآن کو عام لوگوں کی ادبی زبان پر حاصل ہے اس کی عربی زبان پر اتنی گہری چھاپ ہے کہ عربی زبان تغیرات

زمانہ کی دستبرد سے آج تک محفوظ ہے۔ اگر بالفرض محال قرآن کی زبان محفوظ نہ رہتی تو اس کے مقابلہ میں غالباً آج کی عربی زبان پہچانی بھی نہ جاسکتی تھی۔

(۳) قرآن کی اعجازی حیثیت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ یہ اس ہستی کی زبان سے ادا ہوئی جو فصاحت و بلاغت سے سابقہ شناسائی تو درکنار لکھنا پڑھنا تک نہ جانتے تھے' آپ ﷺ کی نبوت سے پہلے کی زبان عام امی لوگوں جیسی ہی تھی۔ آپ ﷺ کو نبوت سے پہلے عبادت گزاری سے دلچسپی تو ضرور تھی مگر عربی ادب سے قطعاً نا آشنا تھے۔

(۴) قرآن کی حکمت نظری یہ ہے کہ اس کے دلائل نہایت سادہ اور عام فہم ہیں۔ خواہ یہ دلائل توحید پر ہوں یا آخرت کے قیام اور دوبارہ زندگی پر' اور ایسی اشیاء سے پیش کیے گئے ہیں جو ہر انسان کے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی رہتی ہیں۔ یہاں نہ تثلیث کا گورکھ دھندا ہے' نہ نیکی اور بدی کے الگ الگ خداؤں کا اور نہ لاتعداد خداؤں کی کاریگری ہے۔ لہٰذا اس کو سمجھنے میں کسی کو کوئی ابہام یا دشواری پیش نہیں آتی۔ چونکہ دلائل فصیح زبان میں پیش کیے گئے ہیں۔ لہٰذا اس سے اونٹوں کو چرانے والے اعرابی بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ جس طرح فصحاء وبلغاء لطف اندوز ہوتے تھے۔ جب ﴿فاصدع بما تومر﴾ کے الفاظ نازل ہوئے تو ایک اعرابی سجدہ میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں اس کی فصاحت کو سجدہ کرتا ہوں۔ جب سورۃ الکوثر کی تین مختصری آیات نازل ہوئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے جا کر بیت اللہ میں لٹکا دیا۔ جہاں معروف شعراء اپنا کلام لٹکایا کرتے تھے اس کے نیچے کسی نے لکھ دیا (مَاهٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ) غرض ایسے واقعات بے شمار ہیں اور غالباً اسی وجہ سے کفار قرآن کو سحر بلکہ سحر مبین کہا کرتے تھے۔

(۵) قرآن کا پانچواں امتیاز اس کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ جو انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو نہ کسی دوسری الہامی کتاب میں

پائی جاتی ہے نہ کسی دوسرے مذہب میں۔ یہ صرف دنیا کی زندگی میں ہی ہدایت نہیں دیتی بلکہ مابعد الطبیعات پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

(٦) قرآن کا چھٹا امتیاز یہ ہے کہ اس کے احکام عام حالات میں ایک اوسط درجہ کی طاقت کے انسان کی استعداد کا لحاظ رکھ کر دیئے گئے ہیں۔ معاشرہ کے معذور لوگوں اور بدلتے ہوئے حالات کا لحاظ رکھ کر ان احکام میں رخصت یا رعایت رکھی گئی ہے تاکہ کسی موقعہ پر بھی لوگوں کو اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے میں دشواری پیش نہ آئے۔ بالفاظ دیگر قرآن کریم کا کوئی حکم ایسا نہیں جو تکلیف مالا یطاق کے ضمن میں آتا ہو۔

(٧) قرآن کا ساتواں امتیاز یہ ہے کہ اپنے موضوع سے بالکل ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔ اس کا اصل موضوع انسان کی ہدایت ہے۔ یعنی وہ راستہ جس پر چلنے سے انسان کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی' قرآن عظیم کا کوئی صفحہ 'سورت' آیت یا کوئی سطر نکال کر دیکھ لیجئے خواہ یہ احکام سے متعلق ہو یا دلائل سے یا سابقہ اقوام کی سر گزشت اور ان کے انجام سے' ہر مقام پر لوگوں کی ہدایت کیلئے کوئی نہ کوئی سبق موجود ہوگا۔

(٨) قرآن مجید کا آٹھواں امتیاز ایجاز و اختصار ہے۔ وہ ایسی تفصیل میں ہرگز نہیں جاتا جس کا ہدایت سے کچھ تعلق نہ ہو۔ مثلاً قرآن نے ام موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کا ذکر تو کیا مگر اس کا نام نہیں لیا۔ سیدنا آدم کو جنت میں ایک درخت کے نزدیک نہ جانے کے حکم کا ذکر کیا مگر درخت کا نام نہ لیا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اھلّة یعنی نئے چاندوں یا اشکال قمر کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اشکال قمر کی وجہ بتانے کے بجائے جواب کا رخ اس طرف موڑ دیا جو انسان کی ہدایت سے تعلق رکھتی تھی۔ کیونکہ اشکال قمر کی وجہ جاننے میں انسان کی ہدایت کا کوئی پہلو نہ تھا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف کی تعداد سے متعلق بحث و کرید

کرنے سے منع کر دیا۔ کیونکہ ایسی بے کار بحثوں کا ہدایت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ ایسی بحثیں صرف وقت کے ضیاع اور بے عملی کا باعث ہی نہیں بلکہ بسا اوقات تفرقہ بازی کی بنیاد بھی بن جاتی ہیں۔

(۹) قرآن مجید کا نواں امتیاز یہ ہے کہ اس نے کبھی کسی نبی اور رسول کی سیرت کو داغدار نہیں کیا۔ بائبل اور تورات میں بعض انبیاء کی سیرت و کردار پر جس طرح سوقیانہ حملے کیے گئے ہیں ایسا کوئی ذکر قرآن میں نہیں ملے گا۔

(۱۰) قرآن مجید کا دسواں امتیاز یہ ہے کہ اس کی زبان نہایت شائستہ اور مہذب ہے۔ گالی گلوچ یا فحش الفاظ سے کلیتاً اجتناب کیا گیا ہے۔ زلیخا کو سیدنا یوسف علیہ السلام سے فی الواقع انہی معنوں میں عشق تھا جو مشہور و معروف ہیں لیکن وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کا استعمال نہیں کیا اس طرح اسلام کے بدترین دشمنوں کا بھی نام نہیں لیا۔ لیکن ان میں سے بعض کے اوصاف بیان کر دیئے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان آیات کا روئے سخن فلاں شخص کی طرف ہے۔ اس کلیہ سے استثناء صرف ابولہب کیلئے ہے جس کی چند خاص وجوہات ہیں۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔ الغرض قرآن کے امتیازات و عجائب اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا انسان کی بساط سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر غور و فکر اور گہرائی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے' نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں' اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آسکتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کے الفاظ بھی سکھائے اور معانی بھی۔ ان کا عزم قرآن کو حفظ کرنا' اس کی تلاوت کرنا' اس کے اوامر کو نافذ کرنا اور اس کے احکام کی موافقت کرنا تھا۔ وہ قرآن کریم کو سمجھنے اور سیکھنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے۔ قرآن کریم سے ان کا تعلق اس درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ بیوی کا حق مہر ہی قرآن کریم کی کسی سورت کو حفظ کرا دینا طے کر لیتے تھے۔ رات کو نمازوں میں

قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ رات کے اندھیرے میں ان کے گھروں کے پاس سے گزرنے والا ان کے قرآن کی تلاوت اور ان کے رونے سے ایسی آواز سنتا جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ قرآن کے معنی میں غور کرتے اور اس کا اثر قبول کرتے تھے انہوں نے ہر پہلو سے قرآن کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ اس سے آداب سیکھتے اور اس کو اپنے جھگڑوں میں فیصل بناتے۔

قرآن کے فضائل:

قرآن کے فضائل میں سے ایک یہ چیز ہے کہ اس کے سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (خیر کم من تعلم القرآن وعلّمه) تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن مجید کو خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے' اس کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ جو اسے پڑھے گا اور دنیا میں اس پر عمل کرے گا۔ قیامت کے دن وہ اس کی شفاعت کرے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اقرء وا القرآن فانّه یاتی یوم القیامة شفیعاً لا صحابه)) (مسلم)

''قرآن پڑھا کرو اس لیے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کیلئے سفارشی بنے گا۔''

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یؤتی یوم القیامة بالقرآن و اھلہ الذین کانوا یعملون به فی الدنیا تقدمه سورة البقرة وال عمران تحاجان عن صاحبھما)) (مسلم)

''قیامت کے دن قرآن کو اور ان لوگوں کو لایا جائے گا جو اس پر دنیا میں عمل کرتے تھے۔ ان کے آگے آگے سورۃ البقرہ اور آل عمران ہوں گی جو ان لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کریں گی۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یجی القرآن یوم القیامة فیقول یارب حلّه' فیلبس تاج الکرامة' ثم یقول: یارب زده فیلبس حلّة الکرامة' ثم یقول: یا رب ارض عنه فیرضیٰ عنه فیقال له اقراء وارق فیزداد بکل آیة حسنة)) (ترمذی)

"قیامت کے دن قرآن کہے گا۔ اے رب! اسے زیور پہناؤ' چنانچہ اسے بزرگی کا تاج پہنایا جائے گا۔ پھر کہے گا اے میرے رب! کچھ زیادہ کرو۔ چنانچہ اسے کرامت کی عبا پہنائی جائے گی۔ پھر کہے گا اے میرے رب! اس سے راضی ہو جا تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔ پھر اسے کہا جائے گا کہ پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ' چنانچہ ہر ایک آیت کے بدلے اس کی نیکیاں بڑھا دی جائیں گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔"

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من قرأ القرآن فاستظهره فاحل حلاله و حرم حرامه ادخله اللّٰه به الجنة و شفعه فی عشرة من اهل بیته کلهم قدوجبت له النار)) (ترمذی)

"جس نے قرآن پڑھا پھر اسے زبانی یاد کیا۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور وہ اپنے گھر والوں کے دس ایسے آدمیوں کے لیے سفارش کر سکے گا جن پر دوزخ واجب ہو چکی ہو گی۔"

لہٰذا قرآن کی بکثرت تلاوت کرنا مستحب ہے۔ خواہ رات ہو یا دن صبح ہو یا شام' ایک حدیث قدسی میں ہے۔

((من شغله القران عن مسالتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین' وفضل کلام اللّٰه علیٰ سائر الکلام کفضل الله علی خلقه))

"جو شخص قرآن پڑھتے رہنے کی وجہ سے کچھ مانگ نہ سکا میں اسے سوال کرنے والوں سے بہتر عطا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مرتبہ باقی تمام کلاموں پر ایسا ہی ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات پر ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ الـم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے یعنی صرف الم پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی۔

ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنا جلد جلد پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے حروف واضح ہوتے ہیں اور دل پر خوب اثر انداز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ [1] یعنی قرآن کو آہستہ آہستہ پڑھو۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (زيّنوا القرآن با صواتكم) قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ زینت دو۔

تلاوت قرآن کے آداب:

قرآن مجید کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کرنا مستحب ہے۔ اگر کوئی روزانہ ایک سیپارہ پڑھے تو ایک ماہ میں ختم ہوگا۔ اگر روزانہ ایک منزل پڑھ لے تو ہفتہ میں ختم ہو جائے گا۔ مگر تین دنوں سے کم وقت میں قرآن مجید ختم کرنا درست نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کم از کم تین دن میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دی تھی۔ حالانکہ وہ زیادہ پڑھنا چاہتے تھے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا جس نے تین دن سے قبل قرآن مجید ختم کیا اس نے قرآن مجید کو سمجھ کر نہیں پڑھا۔ تلاوت اس طرح ہونا چاہیے کہ ذہن پوری طرح کلام الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو۔ کہیں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو' کہیں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذبات تشکر سے لبریز ہو۔ کہیں اس کے غضب اور عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو' غرض یہ تلاوت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کیلئے نہیں بلکہ غور وفکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیے۔

ناپاک آدمی کو قرآن چھونا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا

[1] سورۃ المزمل

﴿الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ [1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (لا یمس القرآن الا طاھر) پاک آدمی کے سوا قرآن کو کوئی نہ چھوئے۔

جنبی جب تک غسل نہ کرے اسے قرآن پڑھنا حرام ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے (لاتقرء الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن) حائضہ عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے۔ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علماء نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور حائضہ عورت کو اجازت دی ہے کہ وہ قرآن پڑھ لے مگر قرآن کو چھوئے نہیں۔

یہاں طہارت سے مراد کفر وشرک کی نجاست سے پاک ہونا ہے۔ جس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا (متفق علیہ) یہاں ناپاکی سے مراد وہی کفر وشرک کی ناپاکی ہے۔ جس کی نفی ایک مومن سے کی گئی ہے اور اس اعتبار سے ایک جنبی مومن بھی پاک ہے۔ ورنہ جنابت وغیرہ کی ناپاکی اس کو بھی لاحق ہوتی ہے اور اس کے احکام مذکورہ آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید کا نجماً نجماً نازل ہونا:

نبی اکرم ﷺ پر وحی کا نزول وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ جب اور جیسے حالات کا تقاضا ہوتا‘ اسی طرح وحی نازل ہو جاتی جب لوگ نبی اکرم ﷺ سے کوئی سوال پوچھتے تو آپ خاموش رہتے حتیٰ کہ اللہ کی طرف سے کوئی وحی آ جاتی۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ [2] لوگ آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے پوچھتے ہیں آپ ﷺ انہیں کہیے کہ ابھی میں تمہیں اس کا کچھ حال سناؤں گا۔ اس سے یہی مراد ہے کہ نبی اکرم ﷺ وحی کا انتظار کرتے تو تب جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی چیز معلوم نہ ہوتو اس کا بہترین طریقہ پوچھ لینا ہے۔ جبکہ دین کا علم سکھانا رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں شامل تھا۔ ارشاد باری ہے:

---

[1] الواقعہ ۹۹ [2] الکھف:۸۳

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران:١٦٤)

''اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایسا رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا تیمم والی حدیث میں ارشاد ہے:

((اَلا سَاَلُوْا اِذْلَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَا الْعِيِّ السُّؤَالُ)) (ابو داؤد۔ ابن ماجه)

''جب مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ کیوں نہ لیا۔ نہ جاننے کا علاج دریافت کر لینا ہی تو ہے۔''

اس کتاب میں ترتیب آیات کے لحاظ سے وہ مسائل بیان ہوں گے جو لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھے اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان سوالات کا جواب دیا۔

پہلا باب

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (البقرہ:۱۸۹)

''لوگ آپ ﷺ سے نئے چاندوں (اشکال قمر) کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے کہیے کہ یہ لوگوں کیلئے اوقات اور حج کی تعیین کیلئے ہیں۔''

چاند کی مختلف شکلیں:

انسان جب دنیا میں آیا تو اس نے دیکھا کہ سورج ہر روز صبح کو مشرق سے طلوع ہوتا اور شام کو مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ اور مدتیں گزرنے کے بعد بھی سورج کے اس عمل میں ذرہ بھی فرق نہیں آتا۔ لیکن چاند کا معاملہ سورج سے کئی باتوں میں مختلف تھا اس نے دیکھا کہ چاند شام کو طلوع ہوتا ہے اور صبح سورج نکلنے سے پہلے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ کبھی مغرب سے طلوع ہوتا ہے کبھی مشرق سے اور کبھی نصف آسمان سے' البتہ یہ بھی سفر مشرق سے مغرب کی طرف ہی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ چاند نت نئی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ پہلے پہل مغربی افق پر غروب آفتاب کے بعد ایک باریک سی پھانک نظر آتی ہے۔ جو چند منٹوں کے بعد سورج کے پیچھے جا کر چھپ جاتی ہے۔ دوسرے دن مغربی افق پر پہلے دن سے ذرا بلندی پر سے ظاہر ہوتا ہے اور پہلے دن کی نسبت قدرے موٹا بھی ہوتا ہے۔ پھر وہ دن بدن مشرق کی طرف سرکتا اور موٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور تا آنکہ سات دن بعد یہ چاند نصف آسمان یعنی سر سے سیدھا اوپر سے نمودار ہوتا ہے اور پورے نصف دائرے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس چودھویں رات کو چاند بالکل سورج کی طرح مشرقی افق

سے طلوع ہوتا ہے اور سورج ہی کی طرح مکمل یعنی پورا گول بھی ہو جاتا ہے۔ رات بھر آسمان پر جگمگانے کے بعد صبح کو مغربی افق میں ڈوب جاتا ہے۔ بعد ازاں چاند کی شکل گھٹنے لگتی ہے۔ وہ طلوع بھی رات کو دیر سے ہونے لگتا ہے۔ حتی کہ اکیسویں رات کو چاند پھر تقریباً نصف دائرہ کی شکل کا رہ جاتا ہے اور طلوع بھی آدھی رات کو ہوتا ہے۔ مزید پانچ چھ دن گزرنے کے بعد پہلی سی پھانک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بعد ازاں دو تین دن غائب بھی رہتا ہے حتی کہ پھر پہلی سی شکل وصورت میں طلوع آفتاب کے بعد مغربی افق سے نمودار ہوتا ہے۔

قمری تقویم ہی حقیقی تقویم ہے:

اشکال قمر سے متعلق لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ چاند کیسے گھٹتا بڑھتا ہے اس کی شکلیں کیوں کر بدلتی رہتی ہیں؟ لیکن یہ سوال چونکہ علم ہیئت کا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور عام آدمی کی ذہنی سطح سے بلند ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا انسان کی عملی زندگی اور ہدایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس سوال کے جواب کا رخ اس طرف موڑ دیا جس کا تعلق انسان کی ہدایت اور عملی زندگی سے تھا۔ فرمایا کہ یہ تمہارے لیے قدرتی جنتری ہے۔ نیز تم ان اشکال قمر سے حج کے اوقات بھی معلوم کر سکتے ہو' یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جن شرعی احکام کا تعلق دن کے اوقات سے ہو ان کا تعلق سورج سے ہوگا۔ جیسے نمازوں کے اوقات اور روزہ کیلئے سحری افطاری کے اوقات وغیرہ۔ اسی طرح دنوں کا شمار سورج سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر جب یہ مدت ایک ماہ یا ماہ سے زائد ہوگی تو مدت کا شمار چاند کے حساب سے ہوگا۔ مثلاً رمضان کے ایام انتیس ہیں یا تیس۔ بیوہ یا مطلقہ کی عدت' مدت حمل' رضاعت اور زکوۃ وغیرہ کا حساب بھی قمری سال کے مطابق ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی اور قدرتی تقویم قمری ہی ہے۔ اور یہی ﴿مواقیت للناس﴾ کا مطلب ہے' رہے حج کے اوقات تو وہ ماہ شوال' ذیقعد اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔

قمری تقویم اور اسلام:

اسلام چونکہ دین فطرت ہے۔لہٰذا اس نے اسی فطری طریقہ حساب کو حقیقی اور اصلی طریقہ قرار دیا ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ﴾ (یونس : ٥)

''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب کر سکو۔''

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سالوں یعنی طویل مدت کا حساب رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قمری تقویم کو ہی حقیقی تقویم قرار دیا۔ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (التوبہ: ٣٦)

''بلاشبہ مہینوں کی تعداد قوانین الٰہی کے مطابق بارہ ہے اس وقت سے جبکہ زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا گیا۔ان میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔''

شاید آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ آج کل کی تمام مروجہ تقاویم میں سال کے مہینوں کی تعداد تو بارہ ہی ہے۔پھر قرآن نے کونسی انوکھی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے۔لیکن آپ کا یہ خیال صحیح نہیں، حضرت انسان نے سال کے بارہ مہینوں کے ساتھ جس قدر افراط وتفریط سے کام لیا ہے اس کی داستان بڑی طویل ہے۔

قمری تقویم چونکہ فطری اور نہایت سادہ ہے لہٰذا تمام مذاہب الٰہیہ میں اسی کو اصل اور بنیاد قرار دیا گیا تھا۔موجودہ دور میں اگرچہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب نے قمری کے بجائے شمسی تقویم کو اپنا لیا ہے۔تاہم اس کے کچھ آثار ضرور باقی رہ گئے ہیں۔مثلاً عیسائیوں کے ہاں ایسٹر کا دن، یہودیوں کے ہاں یوم کبور یا عاشور اور ہندوؤں کے ہاں دیپاولی ابھی تک قمری حساب سے منائے جاتے ہیں۔

شمسی تقویم کا آغاز:

موجودہ دور میں دنیا کے بیشتر ممالک میں قمری تقویم کے سیدھے سادھے طریقے کو چھوڑ کر شمسی تقویم کو اپنایا جا رہا ہے۔ جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب انسان نے عبادت خانے تعمیر کیے تو ان کی آبادی و ترقی کیلئے وہاں پروہت مقرر ہوئے۔ ان پروہتوں کی گزران کیلئے ان کی محنت کا معاوضہ نذرانوں کی صورت میں پیش کیا جاتا تھا۔ مذہبی تہوار آہستہ آہستہ میلوں ٹھیلوں کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ نذرانوں کی وصولی کا وقت یہی مذہبی تہوار یا میلے ٹھیلے ہوتے تھے۔ پروہتوں نے ہی لوگوں پر یہ پابندی عائد کی کہ وہ اپنی زرعی پیداوار کا ایک حصہ پروہتوں کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا کریں۔ اور بت خانوں پر چڑھاوے چڑھایا کریں۔

ظاہر ہے کہ قمری مہینے ایسے نذرانوں اور رسوم کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ بات مشاہدے میں آ چکی تھی۔ کہ ہر تین قمری سال گذرنے پر فصلیں تقریباً ایک ماہ بعد تیار ہوتی تھیں۔ کیونکہ فصلوں کی تیاری کا تعلق موسم سے ہے اور موسم سورج سے تعلق رکھتے ہیں چاند سے نہیں۔ اس مشکل کو دور کرنے کیلئے قمری مہینوں میں پیوند کاری کی تجاویز پر غور کیا جانے لگا اور یہی پیوند کاری جسے عربی میں کبیسہ، انگریزی میں لیپ Leep اور ہندی میں لوند کہا جاتا ہے۔ بالآخر شمسی تقویم کی بنیاد ثابت ہوئی۔ گویا اس چیز کے اصل محرک وہ مذہبی رہنما یا پروہت لوگ تھے جنہوں نے محض اپنے پیٹ کی خاطر مذہب کی آڑ میں مذہب سے بے وفائی کی۔

مذہب اور روحانیت کا رشتہ قمری تقویم سے وابستہ ہوتا ہے۔ عوام الناس جو مذہبی راہنماؤں کی نسبت بہر حال مذہب سے زیادہ بیگانہ ہوتے ہیں انہوں نے ایسی پیوند کاری اور شمسی تقویم کو بہت جلد اپنانے کی کوشش کی کیونکہ ان کے بیشتر رسم ورواج، میلے ٹھیلے، تفریحی سفر اور موسمی چھٹیاں سب کا تعلق شمسی سال سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جوں جوں مذہب سے

بیگانگت بڑھتی گئی' قمری تقویم یا تو کبیسوں کی وجہ سے مکدر ہوتی گئی یا متروک ہوتی چلی گئی۔

مہینوں کی کمی بیشی:

قمری تقویم چونکہ فطری ہے لہٰذا اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسانی اختراع یا دست برد سے بے نیاز ہے۔ اس میں ایک دن کی کمی بیشی بھی نا قابل برداشت ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اگلا چاند اسکی تکذیب کر دے گا۔ لیکن شمسی تقویم میں انسان آزاد ہے۔ چاہے تو ایک سال کے دس ماہ قرار دے لے اور چاہے تو 12 یا 14 ماہ مقرر کرے یہ باتیں محض فرضی نہیں بلکہ فی الواقع شمسی تقویم پر ایسے ادوار گزر چکے ہیں۔

کبیسہ کے طریقے:

قمری تقویم کو فصلوں کے مطابق بنانا یا شمسی تقویم میں تبدیل کرنا ایک ٹیڑھا سا کام ہے لہٰذا ابتداءً قمری تقویم میں مہینوں کا اضافہ کر کے مخلوط کیلنڈر رائج کیا گیا قمری تقویم میں مہینوں کے اضافہ کا یہ طریقہ سوچا گیا کہ ہر تین ماہ بعد ایک سال بڑھا لیا جایا کرے۔ مثلاً ہند میں بکرمی کیلنڈر قمری تقویم کے مطابق چل رہا تھا۔ اس کو مخلوط بنانے کی یہ تجویز ہوئی کہ تیسرے سال چیت کے دو ماہ شمار کیے جائیں۔ پھر چھٹے سال بیساکھ کے دو ماہ' پھر نویں سال جیٹھ کے دو ماہ اور بارھویں سال اساڑھ کے دو ماہ کر دیے گئے۔ ان اضافی مہینوں کو دو چیت' دو بیساکھ' دو جیٹھ اور دو ہاڑ کا نام دیا جاتا تھا ان مہینوں کے نام تو ہندی تھے' مگر ان کے دنوں کا شمار چاند کے حساب سے ہوتا تھا۔ اس طرح تہواروں اور فصلوں میں مطابقت تو ہو جاتی تھی مگر 36 قمری سالوں میں پورا ایک قمری سال گم ہو جاتا تھا۔

بعد ازاں اضافی مہینوں کا طریقہ چھوڑ دیا گیا اور اس کے بجائے مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی کر کے انہیں موسموں کے مطابق بنا لیا گیا۔ جسے عرف عام میں شمسی تقویم کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہندی مہینوں کے ایام کی تعداد درج ذیل مقرر کی گئی۔

چیت	بیساکھ	جیٹھ	ہاڑ	ساون	بھادوں	اسوج	کاتک
30	31	31	31	32	31	30	30
مگھر	پوہ	ماگھ	پھاگن				
30	29	29	30	=	365دن		

اس تقویم میں ترتیب یہ ہے کہ گرمیوں کے مہینے' جبکہ دن بڑے ہوتے ہیں' زیادہ دنوں کے تجویز کیے گئے ہیں۔ معتدل مہینوں کے ایام بھی معتدل یعنی تیس ہیں۔ اور سردیوں کے مہینے کے دن جبکہ دن بھی چھوٹے ہوتے ہیں' کم تجویز کیے گئے ہیں۔

عرب لوگ بھی حج اور ایام حج میں گڑ بڑ کرتے رہے ہیں۔ وہ ہر سال کے اختتام پر ایک سال تو ۱۰ دن کا اضافہ کر لیتے اور اگلے سال ۱۱ دن کا۔ اس طرح حج عموماً ایک ہی موسم میں آتا تھا۔ مگر یہ طریقہ مقبول نہ ہو سکا۔ چونکہ عرب کی بیشتر آبادی دیہاتی تھی۔ جو خالصتاً قمری تقویم کا حساب رکھتے تھے۔

اس کے بعد دوسرا طریقہ یہ وضع کیا گیا کہ اہل ہند کی طرح ہر تین سال بعد ایک ماہ کا اضافہ کر لیا جائے۔ یہ اضافہ علی الترتیب باری باری ہر ماہ کے ساتھ ہو۔ مثلاً تیسرے سال دو محرم شمار کر لیے جائیں پھر چھٹے سال دو صفر پھر نویں سال تین ربیع الاول (یعنی دو ربیع الاول + ایک ربیع الثانی) اس طرح بھی حج ایک ہی موسم میں آتا تھا۔ اور آخری مرحلہ پر ذی الحجہ کا دوسرا مہینہ فی الواقع ذی الحجہ کا ہی مہینہ ہوتا تھا۔ لیکن 36 قمری سال کے اس چکر میں پورا ایک سال یا ایک حج گم کر دیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ﴾ (التوبۃ : ۳۷)

''مہینوں میں تقدیم وتاخیر کفر میں زیادتی ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں وہ ایک سال تو کسی مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام کر دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اس مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں جسے اللہ نے حرام قرار دیا تھا۔''

اتفاق کی بات ہے کہ جب 10 ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو حج کے ایام انہی اصلی قمری تاریخوں اور قمری تقویم کے مطابق تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں کبیسہ کے اس غیر شرعی اور مذموم طریقہ کو کالعدم قرار دے کر شرعی احکام کو قمری تقویم پر استوار کیا اور فرمایا دیکھو زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی نقشہ پر آ گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان پیدا کیے تھے۔ دیکھو سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ اور اس میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو لگا تار ہیں ذی قعد، ذی الحجہ اور محرم اور ایک رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔[1]

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر

(۲) انفاق فی سبیل اللہ

صدقات دو قسم کے ہیں۔ ایک فرضی صدقہ اور دوسرا نفلی صدقہ۔ فرضی صدقات کے مصارف تو اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیے۔ جب کہ نفلی صدقات میں انسان کو اختیار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ترجیحات بیان فرما دی ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۱۵)

''لوگ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجیے جو بھی مال تم خرچ کرو وہ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو بھی بھلائی کا کام تم کرو گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

انفاق فی سبیل اللہ کے معنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ یعنی اپنی کمائی میں سے بغیر کسی ذاتی، دنیوی غرض کے ان مصارف پر خرچ کرنا جن پر خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو رب العالمین ہے۔ وہ تمام مخلوقات کا رازق ہے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں وہ تو صمد اور غنی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ میں ہمارا اپنا ہی فائدہ اور پورے معاشرے کی بھلائی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۷۲)

''تم جو بھی مال خرچ کرتے ہو اپنے ہی لیے خرچ کرتے ہو۔''

بعض مال دار صحابہ مثلاً عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نفلی صدقات کے بارے میں ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے بارے تین سوالات ہی ہو سکتے ہیں، کتنا خرچ

کیا جائے، کس کس پر خرچ کیا جائے اور کن اشیاء پر خرچ کیا جائے؟ فرضی صدقہ یعنی زکوۃ کے بارے ان تینوں سوالوں میں سے دوسرے سوال کا جواب جو سب سے اہم تھا وہ قرآن نے خود بالتفصیل دے دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (التوبة : ٦٠)

''صدقات تو مفلسوں محتاجوں اور اس پر کام کرنے والوں (ملازمین) کا حق ہے اور ان لوگوں کا حق ہے جن کی تالیف قلب منظور ہے۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں۔ اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے۔ یہ (حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے''۔

باقی دو سوالوں کا جواب احادیث میں بالتفصیل مذکور ہے۔ یہاں نفلی صدقہ میں بھی سب سے پہلے دوسرے اہم سوال یعنی کس کس کو دیا جائے کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نفلی صدقات اور فرضی صدقات کے مصارف میں فرق ہے۔ کیونکہ نفلی صدقات کا تعلق انفرادی معاملات سے ہے اور فرضی صدقات یعنی زکوۃ کا تعلق اجتماعی معاملات سے ہے۔ بہر حال نفلی صدقات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے والدین حقدار ہوتے ہیں' اس کے بعد درجہ بدرجہ اقارب' یتیم' فقراء اور مسافر وغیرہ۔ اس آیت میں جن مستحقین کا ذکر ہے ان کا حق دوسروں پر مقدم ہے۔ آپس میں بھی ان کا حق ایک دوسرے پر درجہ بدرجہ فائق ہے۔ نیز فرمایا جو کچھ بھی تم خرچ کرو خواہ وہ زیادہ ہو یا کم' معاشرہ کے ان افراد کو تمہیں اسی ترتیب سے ملحوظ رکھنا چاہیے جو یہاں بیان کی جا رہی ہے۔ آئندہ سطور میں مختصر طور پر صدقات کے اجر و ثواب کے بارے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) ((عن عدى بن حاتم رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اتقوا النار ولو بشق تمرة)) (صحيح بخاری)

''سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا! آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔''

(۲) ((عن ابی هریرة رضی الله عنه قال جآء رجل الی النبی فقال یا رسول الله ای الصدقة اعظم اجراً قال ان تصدّق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمهل حتّٰی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان لفلان)) (صحیح بخاری)

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا صدقہ اجر میں افضل ہے۔آپ نے فرمایا! وہ صدقہ جو تندرستی کی حالت میں کرے تجھے غربت کا خوف بھی ہو اور دولت کی خواہش بھی اور یاد رکھو! صدقہ کرنے میں دیر نہ کرنا کہیں جان حلق میں آجائے اور پھر تو کہے کہ فلاں کے لیے اتنا اور فلاں کے لیے اتنا صدقہ حالانکہ اس وقت تو تیرا مال غیروں کا ہی ہو چکا۔''

(۳) ((عن ابی هریرة و حکیم بن حزام رضی اللّٰه عنهما قالا قال رسول اللّٰه خیر الصدقة ما کان عن ظَهْرِ غِنًی وابدأبمن تعول)) (صحیح بخاری)

''سیدنا ابو ہریرہ اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی ضرورتیں پوری کر کے دیا جائے۔ اور ان سے شروع کرو جن کی پرورش تیرے ذمہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے ایک کوڑھی دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانے کا ارادہ فرمایا۔ ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ کوڑھی کے پاس آیا اور کہا تجھے کون سی چیز بہت پیاری ہے۔ اس نے کہا اچھا رنگ اور اچھا بدن، اور وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ پس اس سے اس کی گندگی دور ہوگئی، اور اچھا رنگ اور اچھا بدن دے دیا گیا پھر فرشتے نے کوڑھی

سے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اونٹ یا کہا گائے راوی (اسحٰق) کو شک ہے۔ ہاں کوڑھی اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا۔ اور دوسرے نے گائے کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے ایک حاملہ اونٹنی دے دی گئی اور کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس ۔ ۔ ۔ آیا اور کہا تجھے سب سے زیادہ پیاری کون سی چیز ہے۔ اس نے کہا خوب صورت بال، اور وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا اس کا گنجا پن جاتا رہا اور خوب صورت بال اسے دے دیئے گئے۔ فرشتے نے پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا گائے، پس ایک حاملہ گائے اسے دے دی گئی۔ اور فرشتے نے کہا اللہ تجھے اس میں برکت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور کہا تجھے سب سے زیادہ پیاری چیز کون سی ہے۔ اس نے کہا کہ اللہ مجھے بینائی دے دے، اور میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ فرشتے نے کہا، تجھے سب سے زیادہ پسند مال کون سا ہے، کہا بکریاں، اسے ایک حاملہ بکری دے دی گئی۔ پس بچے لیے کوڑھی اور گنجے نے اونٹ اور گائے کے، اور اندھے نے بکری کے۔ جس سے کوڑھی کے لیے ایک جنگل اونٹوں سے بھر گیا۔ گنجے کے لیے ایک جنگل گائے سے بھر گیا۔ اور اندھے کے لیے ایک جنگل بکریوں سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پھر (کچھ عرصہ بعد) فرشتہ کوڑھی کے پاس اس کی (پہلی) صورت اور شکل میں آیا۔ اور آ کر کہا کہ غریب آدمی ہوں۔ سفر میں میرا مال واسباب جاتا رہا۔ اب میرا آج کے دن اپنے وطن پہنچنا اللہ کی مہربانی اور تیرے سبب سے ہے۔ میں تجھ سے اسی ذات کے واسطہ سے مانگتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ جسم اور مال دیا ہے۔ ایک اونٹ چاہتا ہوں جس کے ذریعہ اپنی منزل پر پہنچ سکوں۔ اس نے کہا، حق بہت ہیں (یعنی خرچ زیادہ ہے مال کم ہے) فرشتے نے کہا۔ میں تجھے پہچانتا ہوں کیا تو کوڑھی نہ تھا کہ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت اور مال دیا۔ اس نے کہا۔ مجھے تو یہ مال و دولت باپ دادا سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تو

جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کردے جیسا کہ تو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا اور گنجے نے وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کردے جیسا تو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس اس کی (سابقہ) صورت میں آیا اور کہا غریب مسافر ہوں۔ میرے سفر میں میرا مال واسباب جاتا رہا، آج کے دن پہنچ نہیں سکتا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور تیرے سبب سے۔ تجھ سے اسی ذات کے واسطہ سے مانگتا ہوں جس نے تجھے بینائی دی۔ ایک بکری (چاہتا ہوں) کہ اس کے باعث اپنی منزل پر پہنچ سکوں۔ اندھے نے کہا۔ بے شک میں اندھا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بینائی دی، پس تو جو چاہے لے لے، اور جو چاہے چھوڑ دے۔ اللہ کی قسم آج کے دن میں تیرا ہاتھ نہ پکڑوں گا۔ اس چیز سے جسے تو اللہ کے لیے لینا چاہے۔ فرشتے نے کہا: اپنا مال اپنے پاس رکھ۔ حقیقت یہ ہے کہ تم (تینوں) کو آزمایا گیا۔ پس تجھ سے اللہ راضی ہوا اور تیرے دونوں ساتھیوں پر غصہ کیا گیا۔ (بخاری مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں نہ دینا مال و دولت کے تلف ہونے کا سبب بنتا ہے جبکہ انفاق فی سبیل اللہ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے نفلی صدقات کے جو حقدار قرار دیئے ہیں ان کے بارے مختصر ساذکر ہوگا۔

والدین:

اللہ تعالیٰ مربی حقیقی ہے اور والدین یعنی ماں باپ مربی مجازی ہیں اور پرورش کرنے والے ہیں۔ اولاد پر ماں باپ کا بڑا احسان ہے۔ بچپن میں پرورش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اس لیے اولاد کا حق ہے کہ والدین کی حتی المقدور خدمت کرے۔ اور انہیں ہر طرح سے آرام پہنچانے کی کوشش کرے۔ انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

((ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوۃ لوقتھا قلت ثم ای قال برالوالدین قلت ثم ای قال الجھاد فی سبیل اللہ)) (بخاری و مسلم)

"اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل بہت پسندیدہ ہے۔ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا میں نے عرض کیا پھر کون سا عمل؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک۔ میں نے کہا اس کے بعد فرمایا! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

جب والدین بوڑھے ہوں اور کما بھی نہ سکتے ہوں۔ ان کی اولاد جوان اور برسر روزگار ہو۔ تو والدین کئی لحاظ سے اولاد کی طرف سے بہتر سلوک کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اولاد ان سے مالی تعاون کرے اور ان کے نان ونفقہ کا انتظام کرے۔ دوسرے ان کو مناسب توجہ اور محبت دے۔ ایک آدمی نے نبی اکرم کے سامنے اپنے باپ کا شکوہ کیا کہ میرا باپ میری کمائی کو میرے پوچھے بغیر خرچ کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

((انت و مالک لابیک)) (ابوداؤد' ابن ماجہ)

"تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔"

رشتے دار:

والدین کے بعد درجہ بدرجہ دوسرا حق اہل قرابت کا ہے۔ عربی زبان میں قرابت والوں کا حق ادا کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں۔ کیونکہ رحم مادر ہی تعلقات کی جڑ ہے۔ قرآن مجید میں کم از کم بارہ جگہ اس کی تاکید ہے۔ اس کو احسان نہیں بلکہ فرض قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ (بنی اسرائیل: ٢٦)

"قرابت دار کو اس کا حق دو۔"

(۲) ﴿قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (سورۃ البقرہ: ٢٦)

"اپنے مال میں جو بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے ہے۔"

(۳) ﴿وبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَذِى الْقُرْبٰى﴾ (البقرہ: ٨٣)

(ماں باپ اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا)

نبی اکرام ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من احب ان یُبسطَ لَهٗ فی رزقِهٖ و ینسأله فی اثره فلیصل رحمه)) (بخاری)

”جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں برکت دی جائے۔ اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔“

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں تنبیہی انداز میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا یدخل الجنة قاطع رحم)) (بخاری)

”قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔“

نفلی صدقات اپنے رشتہ داروں کو دینا افضل ہے:

(عن سلمان بن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذى الرحم اثنتان صدقة و صلة) (ترمذی۔ نسائی)

”سیدنا سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مسکین کو زکوۃ دینا ایک ثواب ہے اور رشتہ دار کو زکوۃ دینا دوہرا ثواب ہے۔ ایک زکوۃ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔“

جب قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: ۹۲)

”تم اس وقت تک اصل نیکی حاصل نہ کرسکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔“

اس آیت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت اچھا اثر قبول کیا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ باغ تھے۔ ان میں بیرحاء کا باغ سب سے اچھا اور آپ رضی اللہ عنہ کو محبوب تھا۔ یہ مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ نبی اکرم ﷺ وہاں جایا کرتے اور عمدہ اور میٹھا پانی پیتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ میری کل جائیداد میں سے بیرحاء کا باغ مجھے بہت پیارا

ہے۔ میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ اس سے ثواب اور اللہ کے ہاں ذخیرہ کی امید رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ جہاں مناسب سمجھیں اسے استعمال کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا' بہت خوب! یہ مال تو بہت نفع دینے والا ہے۔ تم ایسا کرو کہ اس کو اپنے غریب رشتہ داروں میں بانٹ دو۔ چنانچہ یہ باغ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب اور چچازاد بھائیوں میں بانٹ دیا۔[1]

یتامیٰ:

دیگر انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ یتیموں کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ یتیم وہ کمسن بچہ ہے۔ جو اپنے باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا یعنی باپ کا انتقال ہو گیا ہو۔ باپ کے مرنے سے یتیم بچوں کی زندگی بے سہارا اور بے یارومددگار ہو جاتی ہے۔ ان کی پرورش کرنے والا' سر پرِ دستِ شفقت رکھنے والا اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کی دل جوئی اور حسن سلوک سے پیش آنا' ان کی ضروریات کا خیال رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کا بہت بڑا اجر اور ثواب ہے۔ یتیم سے حسن سلوک کی تفصیل صفحہ نمبر (75) پر ملاحظہ کریں۔

مساکین:

مسکین وہ ہے جو کام کرنے سے معذور ہو لیکن عزت نفس کا خیال اسے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے باز رکھے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ليس المسكين الذی يطوف على الناس ترده اللقمة واللقمتان والتمرة والتمرتان ولكن المسكين الذی لايجد غنى يغنيه ولا يفطن له فيتصدّق عليه ولا يقوم فيسأل الناس)) (بخاری)

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! مسکین وہ نہیں جسے ایک ایک لقمہ یا دو لقمے ایک کھجور یا دو کھجور کی خواہش اسے دربدر لیے

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر نیز کتاب الزکاۃ

پھرتی ہے بلکہ درحقیقت مسکین وہ ہے جس کو اتنی دولت نہیں ملتی جو اسے مانگنے سے بے پروا کر دے۔ نہ ہی کوئی اس کا حال جانتا ہے کہ اسے صدقہ دے نہ ہی وہ کسی سے سوال کرنے کو نکلتا ہے۔"

صدقہ و خیرات سے آپس میں ہمدردی' اخوت اور مروت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ طبقاتی تقسیم بھی کم ہوتی ہے اس کے برعکس جہاں کسی کی ضرورت کا خیال نہ رکھا جائے وہاں لوگوں میں حسد' بغض جیسے جذبات پرورش پاتے ہیں یہ تو دنیا کی بات ہے' جبکہ آخرت میں اہل درزخ' اہل جنت سے سوال کریں گے کہ وہ کسی جرم کی پاداش میں جہنم میں ڈالے گئے ہیں۔ تو وہ چار وجوہ بتائیں گے ان میں سے ایک مسکین کا خیال نہ رکھنا بھی ہے:

﴿مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرٍo قَالُوا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَo وَلَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَo﴾ (المدثر: ٤٢ تا ٤٤)

"اہل جنت پوچھیں گے! کس چیز نے تمہیں دوزخ میں ڈالا' اہل دوزخ جواب دیں گے! ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔"

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص باقاعدہ نماز ادا کرتا ہے تم اس کے ایمان دار ہونے کی گواہی دو۔ جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو نماز ادا نہیں کرتا۔ نہ اس کا اللہ پر ایمان ہے اور نہ روز آخرت کے محاسبہ پر' دوسرا جرم یہ بتائیں گے کہ وہ مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ پہلا جرم اللہ کے حق سے متعلق تھا اور دوسرا جرم بندوں کے حق سے تعلق رکھتا ہے۔ مسکین کو کھانا کھلانے کے سلسلہ میں یہ ضروری نہیں کہ مسکین مسلمان ہو بلکہ کوئی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر بھوکا ہے تو انسان ہونے کے ناطے یہ اس کا حق ہے کہ اسے کھانا کھلایا جائے۔ اگر ننگا ہے تو اسے کپڑا دیا جائے' اگر بیمار ہے تو اس کا علاج کیا جائے' اگر وہ مسلمان ہے اور قرابتدار ہے تو اس کا حق بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ مسکین کو کھانا کھلانے کی فکر نہ کرنا' خود کھلانا تو درکنار کسی کو اس کی ترغیب تک نہ دینا ایسی اخلاقی اور معاشرتی برائی ہے جو ہر مذہب میں جرم سمجھی جاتی ہے۔ مگر جب انسان کو مال و دولت جوڑنے اور سنبھال سنبھال کر رکھنے کی فکر لاحق ہو جائے تو وہ اتنا بخیل بن جاتا ہے کہ اسے

ضرورت مندوں اور مسکینوں کی حالت زار دیکھنے پر قطعاً رحم نہیں آتا اور ان کی سنگدلی کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں روز آخرت کی جواب دہی کا یقین ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایسے شخص کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ﴾ (الماعون :۳)

''اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت تک نہیں دلاتا۔''

مسافر:

اس سے مراد وہ مسافر ہیں جو حالت سفر میں محتاج ہو جائیں۔ خواہ وہ اپنے گھر میں مال دار ہوں۔ لیکن گھر سے مال منگوا نہیں سکتا۔ سفر میں مال کا نقصان ہو گیا۔ اب واپس جانے کی بھی کوئی سبیل نہیں تو وہ شخص صدقات کا حق دار ہے۔ آج کل لوگوں کو ملک سے باہر جانے کا بہت شوق ہے وہاں انسان تھوڑے وقت میں زیادہ کمائی کر سکتا ہے۔ خلیج کے ممالک اور یورپی ممالک جانے کا عام رواج ہے۔ اور کبھی ان کے ساتھ دھوکا بھی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات وہاں جا کر کام ہی نہیں ملتا۔ حتی کہ جو رقم پاس ہوتی ہے وہ بھی ساری خرچ ہو جاتی ہے' روٹی کھانے کو بھی پیسہ نہیں' نہ ہی کوئی ایسا ذریعہ ہے کہ گھر واپس چلا جائے' اس صورت میں یہ بھی محتاج اور مستحق ہے۔ اس کو اتنی رقم کا انتظام کر دیا جائے کہ وہ واپس اپنے گھر پہنچ جائے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے آداب:

قرآن وحدیث میں انفاق فی سبیل اللہ کی کچھ شرائط' آداب بیان کیے گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر ان کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

(۱) مقصد رضائے الٰہی کا حصول:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o﴾ (البقرہ: ۲٦٥)

''اور جو لوگ اللہ کی رضا جوئی اور اپنی پوری دل جمعی کے ساتھ اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بلند زمین پر ایک باغ ہو کہ اگر اس پر زور کا مینہ برسے تو دگنا پھل لائے اور اگر زور کا مینہ نہ برسے تو پھوار ہی کافی ہے۔ اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

(۲) حلال مال خرچ کیا جائے:

حلال طریقے سے روزی کمانا اور رزق کی تلاش کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک صاف مال کو ہی قبول کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ o﴾ (البقرہ: ۲٦٧)

''اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا اس میں سے اچھی چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور کوئی ردی چیز خرچ کرنے کا قصد نہ کرو حالانکہ وہی چیز اگر کوئی شخص تمہیں دے تو ہرگز قبول نہ کرو الا یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور کائنات کی سب چیزیں اس کی تعریف کر رہی ہیں۔''

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَ لَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ)) (ترمذی)

''بغیر پاکیزگی کے نماز قبول نہیں ہوتی اور حرام مال سے صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔''

(۳) احسان نہ جتایا جائے:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ دل آزاری کی جائے کسی کی مدد کرنے کے بعد جتانا صدقات کو باطل کر دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی﴾ (البقرہ: ۲٦٤)

"اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر ضائع مت کرو۔"

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاثة لایکلمهم الله عز وجل یوم القیامة ولاینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم: المنان بما اعطی والمسبل ازاره والمنفق سلعته بالحلف الکاذب)) (نسائی)

"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا (۱) دے کر احسان جتانے والا (۲) تہ بند لٹکانے والا (۳) جھوٹی قسم سے سودا بیچنے والا۔"

(۴) پسندیدہ مال خرچ کیا جائے:

اللہ کی راہ میں اچھا، مفید اور پسندیدہ مال خرچ کیا جائے۔ نہ کہ کوئی فضول اور ردی قسم کا مال جو کہ انسان خود بھی استعمال نہیں کرتا۔ ہمارے پاس جو مال و دولت ہے یہ سارا اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جسے انسان اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے جب اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنا ہے تو کیوں نہ بہتر چیز خرچ کی جائے۔ جب آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا بہترین باغ صدقہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پسندیدہ لونڈی اللہ کی راہ میں آزاد کر دی۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۵) صدقہ اعلانیہ دیا جائے یا خفیہ دونوں طرح جائز ہے:

خیرات کرتے وقت اگر نیت رضائے الٰہی کا حصول ہو اور دکھاوا مقصود نہ ہو تو دونوں طرح خرچ کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاۗءَ فَهُوَخَيْرٌ لَّكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۷۱)

''اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کرو تو بھی اچھا ہے اور اگر خفیہ طور پر فقراء کو دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہچکولے کھاتی تھی۔ پھر اللہ نے پہاڑ پیدا کیے اور کہا کہ اسے یعنی زمین کو تھامے رہو چنانچہ وہ ٹھہر گئی۔ تب فرشتوں کو پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب ہوا۔ اور کہنے لگے ''یا رب! تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی سخت ہے۔'' فرمایا ہاں۔ ''لوہا ہے''۔ فرشتے کہنے لگے یا رب! کوئی چیز لوہے سے بھی سخت ہے؟ فرمایا ''ہاں آگ ہے'' پھر وہ کہنے لگے۔ کوئی چیز آگ سے بھی سخت ہے۔ فرمایا ''ہاں پانی ہے'' وہ کہنے لگے کوئی چیز پانی سے بھی سخت ہے۔ فرمایا ''ہاں ہوا ہے'' پھر کہنے لگے کوئی چیز ہوا سے بھی سخت ہے۔ فرمایا ''ہاں وہ آدمی جو اس طرح صدقہ دے کہ دائیں ہاتھ دے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔''

(ترمذی' ابواب التفسیر' سورۃ الناس)

بعض علماء کہتے ہیں کہ فرضی صدقہ یعنی زکوۃ وغیرہ تو اعلانیہ دینا چاہیے تاکہ دوسروں کو بھی ترغیب ہو اور نفلی صدقہ بہر حال خفیہ دینا ہی بہتر ہے۔ یہ تو واضح بات ہے کہ چھپا کر نیکی کرنے سے انسان کی اپنی اصلاح نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات قسم کے آدمیوں کو اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) ایک انصاف کرنے والا حاکم (۲) وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی عبادت میں گزاری (۳) وہ

شخص جس کا دل مسجد سے لگا رہے (۴) وہ دو شخص جنہوں نے اللہ کی خاطر محبت کی اللہ کی خاطر ہی مل بیٹھے اور اللہ کی خاطر ہی جدا ہوئے (۵) وہ مرد جسے کسی حسین وجمیل عورت نے (بدکاری کیلئے) بلایا اور اس نے کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (٦) وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں یوں چھپا کر صدقہ کیا کہ داہنے ہاتھ نے جو صدقہ کیا بائیں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی (۷) وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ نکلیں۔

اللھم اجعلنا منھم (آمین) [۱]

آیت مذکورہ میں انفاق سے مراد روپیہ پیسہ خرچ کرنا ہی ہے مگر وقت کا انفاق اور جان کا انفاق بھی ممکن ہے۔ یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی بھی کئی اقسام ہیں۔ [۲]

وقت اور صلاحیتوں کا انفاق:

اس کی بھی بے شمار صورتیں ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانے کی مناسبت سے ان کو بھی بیان فرمایا ''ڈول سے پانی ڈال دینا' سواری پر بٹھانا اور اندھے کو راستہ دکھانا' کما کر دینا...... یہ سب وقت کا انفاق ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بڑھیا عورت کو جس کی بینائی ختم ہو چکی تھی' آبادی سے دور ایک جھونپڑی میں دیکھا کہ جو صاف ستھری ہے اور کھانے کا سامان بھی موجود ہے اور وہ خود بھی صاف ستھری ہے تو پوچھا کہ تمہاری کون اتنی خدمت کرتا ہے اس نے کہا کہ میں تو نہیں جانتی بس ایک شخص آتا ہے' میرا گھر بھی صاف کرتا ہے اور مجھے اپنے ہونٹوں سے کھانا نرم کر کے کھلاتا ہے۔ اور جب دوسری صبح اس شخص کا چھپ کر انتظار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص خلیفۂ وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ صلاحیت' وقت اور توانائی کا انفاق ہے۔

جان کا انفاق:

اس کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ غزوات سے لے کر موجودہ دور تک اور آج اسلام کا زندہ ہونا اسی انفاق کی بدولت ہے۔

---

[۱] بخاری۔ کتاب الاذان [۲] بشکریہ ماہنامہ ''پکار'' فروری 2003

جائز حق کا انفاق:

یہ بھی انفاق ہے کہ انسان اللہ کی محبت میں اپنے جائز حق سے دستبردار ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مثال کہ عمر بھر تقدیر ان پر دولت لٹاتی رہی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہ جن کے سینکڑوں غلام تھے وہ ان کے لیے دن بھر کماتے اور رات سارا مال آپ کے سامنے ڈھیر کر دیتے۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اس مال کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ میرے غلام ہیں انہوں نے سارے دن کی خون پسینے کی کمائی میرے سامنے ڈھیر کر دی ہے اور میں بھی تو کسی کا غلام ہوں چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں لاکھوں کا مال خرچ کرتے اور خود ان کی زندگی میں فقراء کی سی سادگی تھی۔

اللہ کی خاطر خرچ کرتے ہوئے نیت درست ہو اور اخلاص ضروری ہو۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں صرف اللہ کی خاطر خرچ کرتے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کریں اور وہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں۔ اور تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ ہی کوئی شکر یہ چاہتے ہیں ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔'' (سورۃ دہر)

اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

''انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔'' یعنی وہ خلوص نیت سے انفاق فی سبیل اللہ میں کوشش اور محنت کرتے ہیں۔

انفاق اور زہد:

اس میں نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ہے۔ انفاق انسان کو زہد کی طرف لے جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نمازِ عصر کے بعد گھر گئے اور فوراً واپس آ گئے اور کہا کہ میرے گھر میں سونے کا ٹکڑا تھا اور سوچا کہ شام سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کبھی دو دن یا تین دن ایسے نہیں آئے کہ ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو اور بعض اوقات دو دو مہینے گزر جاتے تھے اور ہمارے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔

انفاق اور قربانی:

سب سے بڑی مثال نبی کریم ﷺ کی ہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا۔ آپ ﷺ ہمیشہ لوگوں کو عطا کرتے کہ عرب کے بدو کہتے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ اس کو اپنی مفلسی کا ڈر نہیں۔ اس حد تک قربانی کرتے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو کیوں لوگوں سے وعدے کر لیتے ہیں۔ آپ کیوں لوگوں کو دوسروں کے گھروں میں بھیجتے ہیں لیکن آپ کے پاس لوگ آتے اور اتنا کچھ لے جاتے کہ کوئی محروم نہیں رہتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مثال کہ انہوں نے اپنے دور میں نئے سرے سے ان مثالوں کا احیاء کیا تھا۔ اور اپنے لئے کوئی چیز بچا کر نہ رکھی تھی۔ علامہ اقبال کے اس شعر کے مطابق:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

ان کے جذبۂ انفاق اور زہد کا یہ عالم تھا کہ کہاں اسلام لانے سے قبل ہزار درہم سے کم میں لباس نہیں تھا اور کہاں یہ حالت کہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ ان کے پاس تو کوئی لباس ہی نہیں ہے اور پھر آخری وقت میں اپنے بال بچوں کو بلا کر کہا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے لئے مال دولت چھوڑ جاؤں یا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ قیامت کے دن تمہارے باپ کے اوپر کوئی بوجھ نہ ہو۔ اس پر اولاد نے کہا کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ قیامت کے دن آپ کے اوپر کوئی بوجھ ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ کا وعدہ کبھی باطل نہیں ہوسکتا نہ ہی ہماری صلاحیتیں اور قوتیں باطل ہوسکتی ہیں بلکہ ہماری کوششیں ہی کم ہوتی ہیں۔ جب انفاق کیا جاتا ہے تو اپنے اثرات دکھاتا ہے۔ آج صیہونی طاقتیں اور باطل قوتیں آگے بڑھ رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے قربانی دی ہے۔ اور اسی لئے اس وقت دنیا کی پوری معیشت ان کے قبضے میں ہے۔ پورا میڈیا ان کے قبضے میں ہے۔ دنیا کی تہذیب بھی ان کے

ہاتھوں میں ہے۔ان کے انفاق کو اس طرح سے سمجھا جا سکتا ہے کہ نیو یارک میں ایک سٹور ہے اس میں Weekend کی جو آمدنی ہوتی ہے وہ پوری کی پوری یہودیوں کے فنڈ میں جاتی ہے۔ آج ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اپنی پوری آمدنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے بن جائیں۔ ہم اپنے رب سے کوئی شکوہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ہم نے انفاق کیا ہی نہیں۔ اپنے رب کے ساتھ وعدے کو ہم نے نبھایا ہی نہیں۔ جس طرح سے انفاق کرنے کا حق ہے وہ حق ہم نے ادا ہی نہیں کیا۔ ہم پارٹ ٹائم صلاحیتیں لگاتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ نتائج ہمیں بہت زیادہ مل جائیں۔ یہ تو اللہ کی سنت نہیں ہے۔

اگر ہم خلوصِ نیت سے انفاق کرنا چاہتے ہیں تو صرف دو مثالوں کو ہی اپنے سامنے رکھ لیں تو یہ کافی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے جن کے بارے اللہ نے فرمایا "ان کے سامنے میرے بندے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرو جس نے وفا کا حق ادا کیا۔ جو قلب منیب لے کر میرے پاس آیا۔"

انہوں نے اپنے رب کی خاطر اپنے گھر کو چھوڑا' پھر اپنی برادری' اپنا وطن چھوڑا۔ اور پوری زندگی اللہ سے اولاد مانگتے رہے۔ لیکن جب اللہ نے بیٹا دیا تو اسے بھی اللہ کے حکم سے ایک بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئے۔ اور پھر جب وہ جوان ہوا تو اللہ کے حکم کے مطابق اسے ذبح کرنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ غرض کہ انفاق کی کوئی ایسی مثال نہیں جو حضرت ابراہیم کی زندگی میں نہ ملتی ہو۔

دوسری مثال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ان کی زندگی کا بھی ایک ایک لمحہ انفاق سے عبارت ہے۔ مثالوں کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کامیابی کے اثرات دنیا و آخرت میں اسی وقت نظر آ سکتے ہیں جب ہم اپنے عمل سے ظاہر کریں کہ اے اللہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب تیرا اور تیرے راستے کا ہے۔

(۳) حرمت والے مہینے

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (البقرہ: ۲۱۷)

''وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے پوچھتے ہیں کہہ دیجیے کہ حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا' مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اس سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟

مشرکین عرب کے نزدیک چار ماہ حرمت والے تھے۔ ذیعقدہ' ذی الحج اور محرم حج کے لئے اور رجب عمرہ کے لیے۔ ان مہینوں میں لوٹ مار اور جدال وقتال حرام تھا۔ اس دوران لوگ آزادی کے ساتھ سفر اور تجارت وغیرہ کر سکتے تھے۔ اگر چہ لوٹ مار اور لڑائی جھگڑا ہر وقت ہی ایک گناہ کا کام تھا۔ تاہم ان مہینوں میں اسے شدید تر گناہ سمجھا جاتا تھا۔ مشرک اپنی اغراض کی خاطر ان مہینوں میں ادل بدل کر کے سال میں چار حرمت والے مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے تھے۔ مثلاً کوئی زور آور قبیلہ جب محرم میں اپنے کسی کمزور دشمن قبیلے سے انتقام لینا یا جنگ چھیڑنا چاہتا تو وہ یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال محرم کی بجائے صفر حرمت والا مہینہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی من مانی اغراض پوری کر لیتا اور اگلے سال پھر اعلان کر دیتا کہ اس سال محرم کا مہینہ ہی حرمت والا شمار ہوگا۔ اس غرض کے لیے ردو بدل عموماً محرم اور صفر میں ہی ہوا کرتا تھا۔ ایسا اعلان کرنے والا شخص بنو کنانہ کا ایک سردار

تلمس تھا اس طرح یہ لوگ مہینوں کی حلت وحرمت کے خود بخود ہی مختار بن بیٹھے تھے۔
چنانچہ حجۃ الوداع کے خطبے میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:
دیکھو زمانہ پھر پھرا کر اسی نقشہ پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کیے تھے۔ ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو لگاتار ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم اور چوتھا مہینہ رجب جو جمادی الاخرٰی اور شعبان کے درمیان ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (التوبہ : ٣٦)

"جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اس دن سے اللہ کے نوشتہ کے مطابق اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہی ہے۔ جن میں چار حرمت والے ہیں۔"

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو نبی اکرم ﷺ کی کوششوں سے مواخات اور میثاق مدینہ کے نتیجے' مدینہ میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا گیا جو تاریخ کا سب سے زیادہ باکمال اور شرف سے بھرپور تھا۔ یہ دیکھ کر مشرکین کا جوش غضب اور انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ وہ ہر وقت مدینہ پر ایک بھرپور حملہ کر کے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن ابی' جو ابھی کھلم کھلا مشرک تھا۔ اس کو بھی دھمکی آمیز خطوط لکھ کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر بیت الحرام کے دروازے بند کر دیئے انہیں وہاں داخل ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کو بھی قریش کے برے ارادوں کے بارے علم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دے دی مگر ابھی فرض قرار نہیں دیا تھا۔ ان حالات میں حکمت عملی کے طور پر نبی اکرم ﷺ اس تجارتی شاہراہ پر جو مکہ سے شام تک آتی جاتی ہے اس پر اپنے گشتی دستے بھیج کر حالات کی خبر گیری کرتے۔ انہی میں سے سریہ سیف البحر' سریہ رابغ' غزوہ ابواء' غزوہ بواط' غزوہ سفوان اور غزوۂ ذی العشیر ہ وغیرہ ہیں۔ یہ سب سرایا وغزوات

رمضان ایک ہجری سے لے کر جمادی الثانی سن 2 ہجری تک پیش آئے۔

2 ہجری میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارہ مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ دستے کے امیر کو رسول اکرم ﷺ نے تحریر لکھ کر دی اور فرمایا۔ دو دن سفر کرنے کے بعد اسے دیکھنا' جب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے تحریر کھول کر دیکھی تو درج تھا۔ جب تم میری یہ تحریر دیکھو تو آگے بڑھتے جاؤ' یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں اترو' وہاں قریش کے ایک قافلے کی گھات میں لگ جاؤ اور ہمارے لیے اس کی خبروں کا پتہ لگاؤ۔ انہوں نے سمع و طاعت کہا اور اپنے رفقاء کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا۔ میں کسی پر جبر نہیں کرتا' جسے شہادت محبوب ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جسے موت ناگوار ہو وہ واپس چلا جائے۔

حضرت عبداللہ نے طویل مسافت طے کر کے نخلہ میں نزول فرمایا۔ وہاں انہیں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملا' مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا لڑائی کریں یا نہ کریں۔ مسلمانوں کو بھی قریش مکہ کی زیادتیوں کی وجہ سے بہت غصہ تھا۔ چنانچہ سب کی یہی رائے ہوئی کہ حملہ کر دینا چاہیے۔ چنانچہ ایک آدمی نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ ایک بھاگ گیا اور دو گرفتار ہو گئے اس کے بعد یہ لوگ دونوں قیدیوں اور سامان قافلہ کو لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملی اور اس سے حضرت عبداللہ نے خمس نکال کر باقی مال صحابہ میں تقسیم کر دیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس' پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔

جب یہ لوگ مال غنیمت اور گرفتار شدگان کے ساتھ مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ کو بہت افسوس ہوا کیونکہ آپ نے صرف معلومات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ لڑائی کیلئے نہیں بھیجا تھا جس دن یہ لڑائی کا واقعہ ہوا اس دن مسلمانوں کے خیال کے مطابق تو 30 جمادی الثانی تھا۔ مگر حقیقتاً وہ دن یکم رجب کا تھا' اب کفار مکہ' یہود اور دوسرے اسلام دشمن لوگوں نے ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ دیکھو یہ لوگ جو بڑے اللہ والے بنے پھرتے ہیں۔ ماہ حرام میں بھی خون ریزی سے نہیں چوکتے۔ اسی پروپیگنڈہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ماہ

حرام میں لڑنا واقعی بڑا گناہ ہے مگر جو کام تم کر رہے ہو وہ اس گناہ سے بھی شدید تر ہے۔ تم اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہو' مسلمانوں کو تکلیف دیتے ہو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو' مسلمانوں کے مسجد حرام میں داخلہ پر پابندیاں لگا رکھی ہیں اور تم نے مسلمانوں پر عرصہ حیات اس قدر تنگ کر دیا کہ وہ یہاں سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ سب جرائم ماہ حرام میں لڑائی کرنے سے بڑے جرائم ہیں' علاوہ ازیں جو فتنہ انگیزی کی مہم تم نے چلا رکھی ہے وہ تو قتل سے کئی گنا بڑا جرم ہے۔ فتنہ سے مراد ایسی ہر قسم کی مزاحمت ہے جو ان لوگوں نے اسلام کی راہ روکنے کیلئے اختیار کی' تمہیں اپنی آنکھ کا تو شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور مسلمانوں سے اگر غلط فہمی کی بنا پر یہ لڑائی ہو گئی ہے تو تم نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دونوں قیدیوں کو آزاد کر دیا حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ اور مقتول کے اولیاء کو اس کا خون بہا ادا کر دیا۔ قریش نے ان دونوں کا فدیہ دے کر انہیں رہا کرا لیا تاہم حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ میں ہی رہ گئے جب کہ عثمان واپس چلا گیا اور وہیں کفر کی حالت میں مرا' عمرو بن حضرمی کے قتل کا یہ واقعہ غزوہ بدر کا اہم سبب تھا۔ اس کے بعد اہل ایمان اور کفار کے درمیان پے در پے کئی جنگیں لڑی گئیں۔ اب سریہ نخلہ میں شریک مجاہدین کو یہ ڈر تھا۔ آیا ہمیں اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں کیونکہ اس میں دو غلطیاں ہو گئی تھیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر جہاد کیا۔ دوسری یہ کہ یکم رجب کو لڑائی کی جس کا انہیں علم نہیں ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ انہیں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ غلطیوں کو معاف کر دینے والا اور مہربان ہے۔

❁❁❁

(۴) حرمت خمر و میسر

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

''وہ آپ ﷺ سے شراب اور جوئے کے بارے پوچھتے ہیں آپ ﷺ ان سے کہیے کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔''

خمر کے لغوی معنی ڈھانپنا اور پردہ ڈالنا کے ہیں۔ خمر شراب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے پینے سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خمر کی تعریف اس طرح کی ہے۔ (الخمر ما خامر العقل) خمر وہ ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔ اس کے بعد اس کے معنی کو وسعت دے کر ہر نشہ چڑھانے والا، مست اور مدہوش کرنے والے مشروب پر خمر کا اطلاق کر دیا گیا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:

((کل مسکر خمر و کل مسکر حرام))

''ہر نشہ چڑھانے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ چڑھانے والی چیز حرام ہے۔''

حلت وحرمت کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے:

زمانہ جاہلیت میں عربوں نے حلت وحرمت کا بالکل غلط معیار قائم کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے نزدیک شراب نوشی، سود خوری، جوا اور قتل اولاد جیسی چیزیں بالکل جائز تھیں مگر جب نبی اکرم ﷺ نے توحید کی طرف دعوت دی تو انہوں نے لوگوں پر واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا خالق ہے اور اس کے ان پر بے شمار احسانات ہیں۔ یہ اسی کا حق ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے انسان کیلئے حرام کرے اور جسے چاہے حلال کرے چنانچہ حدیث نبوی ہے:

((ان اللّٰـه فرض فرائض فلا تضیّعوھا وحدّ حدودًا فلا تعتدوھا و حـرّم اشیاء فلا تنتھکوھا و سکت عن اشیاء رحمة بکم غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا)) (دارقطنی)

''اللہ نے فرائض کو لازم کیا ہے انہیں ضائع مت کرو اور حدود مقرر کر دی ہیں لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے ان کی بے حرمتی نہ کرو اور جن چیزوں کے بارے اس نے سکوت کیا ہے تو یہ خاموشی تمہارے لیے باعث رحمت ہے لہٰذا ایسی چیزوں کے بارے بحث میں نہ پڑو۔''

ایک مسلمان کیلئے ضروری نہیں کہ وہ ان خباثتوں اور نقصانات کو جان لے جن کی وجہ سے اسلام نے کسی چیز کو حرام ٹھہرایا ہے ہو سکتا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اس کا علم کم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی خباثت ابھی ظاہر ہی نہ ہوئی ہو اور کسی دوسرے زمانے میں ظاہر ہو جائے۔ مومن کا کام تو ہمیشہ سمع وطاعت ہے۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ شراب اور جوئے کے کتنے مضر اثرات انسان کے عقل وجسم اور اس کے دین ودنیا پر پڑتے ہیں ایک خاندان کے لیے وہ کیا کیا تباہیاں لاتے ہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قوم اور سماج کی مادی' اخلاقی اور روحانی زندگی کے لیے یہ کس قدر خطرناک کام ہیں۔

ایک محقق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسان کو شراب سے بڑھ کر کسی چیز نے نقصان نہیں پہنچایا اگر دنیا کے ہسپتالوں کا جائزہ لے کر ان لوگوں کے اعداد وشمار جمع کیے جائیں جو شراب اور جوئے کی وجہ سے جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں جو قتل وخون کرنے لگ جاتے ہیں اور جو اعصابی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں نیز اپنی املاک سے ہاتھ دھو کر مفلس اور قلاش ہو کر رہ جاتے ہیں حتی کہ جوئے میں اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی ہار جاتے ہیں۔ یہ اعداد وشمار اس خطرناک حد کو پہنچ جائیں کہ اس کے مقابلے میں جو بھی نصیحت کی جائے وہ کم ہے۔

شراب کی حرمت میں تدریج:

عرب زمانہ جاہلیت میں شراب اور جوئے کے متوالے تھے۔ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ایک سونام تھے۔ان کی شاعری میں شراب کی تمام اقسام' اس کی خصوصیات اور محافل شراب کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا۔جب اسلام کی آمد ہوئی تو اس نے تربیت کا نہایت حکیمانہ انداز اپناتے ہوئے اسے تدریجاً حرام قرار دیا اس تدریج کی مصلحت یہ تھی کہ سالہا سال سے پڑی ہوئی عادات کو یکلخت ترک کرنا انسانی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا۔چنانچہ یہ شراب کے متعلق ابتدائی حکم ہے جس میں شراب سے نفرت دلانا مقصود تھا۔اس کے بعد دوسرے حکم میں یہ بتایا گیا کہ نشہ کی حالت میں نماز ادا کرنا منع ہے۔پھر تیسری بار آخری حکم میں شراب، جوا اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو قطعاً حرام کیا گیا ہے۔

اگر چہ شراب پینے سے وقتی طور پر کچھ سرور حاصل ہو جاتا ہے تاہم اس کے اور جوئے کے نقصانات ان کے فوائد سے بہت زیادہ ہیں مثلاً شراب پینے سے انسان کی عقل مخمور ہو جاتی ہے اور انسان وقتی طور پر اپنے آپ کو دلیر اور بہادر سمجھنے لگتا ہے یہی خرابی کئی طرح کے فتنہ وفساد کا پیش خیمہ بنتی ہے۔اس طرح جوئے میں مفت مال ملنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے مگر یہی چیزیں بعد میں لڑائی جھگڑوں اور دشمنیوں کا سبب بنتی ہیں لہذا ان سے بچنا ہی بہتر ہے۔اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شراب کا استعمال بہت کم کر دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ شراب نوشی سے نفرت کرتے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی یا اللہ! اس بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانا بنایا۔دعوت دی اور ہمیں شراب پلائی۔شراب نے ہمیں مدہوش کر دیا' اتنے میں نماز کا وقت آ گیا انہوں نے مجھے امام بنایا۔میں نے پڑھا:

(قل یایها الکافرون لا اعبد ماتعبدون و نحن نعبد ماتعبدون)

کہہ دیجئے' اے کافرو! میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

حتی کہ کچھ وقفہ سے حرمت شراب کے تدریجی احکام کی دوسری کڑی بصورت وحی نازل ہوئی۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (النساء: ٤٣)

''اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب تک نہ جاؤ' تا کہ تمہیں یہ معلوم ہو سکے کہ تم (نماز میں) کیا کہہ رہے ہو۔''

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نشے کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا۔ جب سورۃ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشے والا نماز کے قریب نہ آئے۔ چونکہ نشہ کی حالت میں نیند کی غشی کی طرح ایک طرح کی غشی ہوتی ہے لہٰذا انسان کو یہ معلوم رہنا مشکل ہے آیا اس کا وضو بھی بحال ہے یا ٹوٹ چکا ہے۔ غالبًا اسی نسبت سے آگے طہارت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا کہ شراب اور جوئے کا نقصان فائدے سے زیادہ ہے۔ اس وقت تک لوگ ان چیزوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کے وقت شراب نہیں پیتے تھے۔ مگر مکمل ممانعت ابھی بھی نہ تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ یا اللہ اس بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نازل فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝﴾

(المائدہ: ٩٠، ٩١)

''اے ایمان والو! یہ شراب' جوا' آستانے سب گندے شیطانی کام ہیں۔ لہٰذا

ان سے بچتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاسکو شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے۔ اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آتے ہو؟''

جب یہ آیات نازل ہوئیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنیں تو پکار اٹھے۔ انتهينا انتهينا ہم باز آئے' ہم باز آئے۔ (بخاری' کتاب الاشربہ' ترمذی' ابواب التفسیر)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے فرماتے ہوئے سنا۔ لوگو شراب حرام ہوئی۔ شراب پانچ چیزوں سے بنا کرتی ہے۔ انگور' کھجور' شہد' گیہوں اور جو' جس مشروب سے عقل میں فتور آئے وہ خمر (شراب) ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابوطلحہ کے گھر لوگوں کا ساقی بنا ہوا تھا۔ ان دنوں گندی کھجوروں کی شراب تھی میں ابوطلحہ' ابوعبیدہ' ابی ابن کعب' ابوایوب' ابودجانہ' سہیل بن بیضاء اور اپنے چچاؤں کو کھڑا شراب پلا رہا تھا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ رسول اللہ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے کہ شراب حرام ہوگئی۔ ابوطلحہ نے مجھے کہا باہر جا کر سنو' میں باہر نکلا تو دیکھا ایک منادی اعلان کر رہا ہے' سن لو! شراب حرام ہوگئی ہے۔ ابوطلحہ نے مجھے کہا باہر جا کر مٹکا توڑ دو اور شراب بہا دو' میں باہر نکلا اور مٹکے کو توڑ دیا شراب بہہ گئی۔ اس دن مدینہ کے گلی کوچوں میں پانی کی طرح شراب بہہ رہی تھی اس شخص سے یہ خبر سننے کے بعد لوگوں نے نہ اس کی تصدیق کی اور نہ ہی کبھی شراب پی۔ (مسلم' بخاری' کتاب الاشربہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلہ میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی (۱) شراب نچوڑنے والا (۲) شراب نچڑوانے والا (۳) لینے والا (۴) اٹھانے والا (۵) جس کیلئے لے جائی جائے (۶) پلانے والا (۷) بیچنے والا (۸) اس کی قیمت کھانے والا (۹) خریدنے والا (۱۰) جس کیلئے خریدی گئی۔ (ترمذی' ابواب البیوع)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب رکھی گئی ہو۔'' (احمد)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شراب سے پرہیز کرو۔ وہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ سنو! اگلے لوگوں میں ایک ولی اللہ تھا جو بڑا عبادت گزار تھا۔ بستی سے الگ تھلگ اپنے عبادت خانے میں عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ ایک بدکار عورت اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس نے اپنی خادمہ کو بھیج کر اپنے ہاں شہادت کے بہانے بلوایا۔ خادمہ اسے گھر کے اندر لے گئی جس دروازے سے گذرتے پیچھے سے خادمہ اس کو بند کر دیتی۔ آخری کمرے میں گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت ہے۔ اس کے پاس ایک بچہ ہے اور شراب کا جام لبالب بھرا ہوا ہے۔ اس نے کہا میں نے آپ کو کسی گواہی کے لیے نہیں بلایا۔ یا تو آپ میرے ساتھ بدکاری کریں یا اس بچے کو قتل کریں یا شراب پی لیں۔ بزرگ نے سوچ کر تینوں کاموں میں سے ہلکا کام شراب پینا جان کر جام کو منہ سے لگا لیا۔ سارا جام پی لیا۔ کہنے لگا اور لاؤ۔ اور لاؤ۔ جب نشے میں مدہوش ہو گیا تو اس عورت کے ساتھ زنا بھی کر بیٹھا اور لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔

اے لوگو! تم شراب سے بچو۔ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے ایک کا آنا دوسرے کا جانا ہے۔ (بیہقی)

قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں جمع کر کے بہت حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ دونوں چیزیں فرد، خاندان، وطن اور اخلاق سب کیلئے یکساں طور پر مضر ہیں۔ جوئے باز کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جاتا ہو۔ قرآن کا یہ بیان کہ یہ شیطانی عمل ہے، حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

جوئے کا معاملہ بعض دفعہ شراب سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ ہارا ہوا فریق جب اپنا کثیر مال و دولت حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنی بیوی تک بھی ہار بیٹھتا ہے تو دنیا اس کے آگے اندھیر بن جاتی ہے اور اب اس میں جو عداوت پڑتی ہے وہ دیوانہ وار ہوتی ہے جو بہت سے دوسرے جرائم کا بھی سبب بنتی ہے۔ یہ تو شراب اور جوئے کے ظاہری اثرات ہیں اور باطنی اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں۔

جوا کس طرح دشمنی پیدا کرتا ہے؟

جوئے کے ذریعہ کسی کا مال کھانا باطل طریقے سے مال کھانا ہے۔ اس سے جوئے بازوں کے درمیان بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ زبانی طور پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوں۔ کیونکہ ان کا معاملہ ہمیشہ غالب اور مغلوب کے درمیان ہوتا ہے۔ جب مغلوب خاموشی اختیار کرتا ہے تو اس کی خاموشی غیظ وغضب لیے ہوتی ہے کیونکہ وہ نقصان اٹھا چکا ہوتا ہے۔ بازی ہار جانے کی صورت میں مغلوب دوبارہ جوا کھیلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس امید پر کہ شاید اب کی بار نقصان کی تلافی ہو جائے۔ اسی طرح غالب کو غلبہ کی لذت دوبارہ بازی لگانے اور مزید نفع بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ دونوں جوا کھیلنے والے ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو پاتے۔ جوئے بازوں کی دوامی مصیبت کی یہی وجہ ہے۔ یہ تو اس کا ظاہری اثر ہے اور باطنی اثر یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی یاد سے قطعاً غافل کر دیتی ہیں۔ جوئے کی معروف قسم تو شرعاً اور قانوناً حرام ہے۔ جواری کو کسی بھی معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ مگر موجودہ دور میں جوئے کی نئی نئی اقسام وجود میں آ چکی ہیں۔ جن میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی اور بعض کو تو حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسی سب نئی شکلیں بھی حرام ہیں۔ مثلاً لاٹری' معمہ بازی' ریفل ٹکٹ' انعامی بانڈ' ریس کورس اور بیمہ کی بعض شکلیں اور شطرنج وغیرہ بھی قمار ہی کی قسمیں ہیں۔

شراب کس طرح بغض وعداوت کا سبب بنتی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن ہمیں جو غنیمت ملی اس میں سے مجھے ایک جوان اونٹنی ملی۔ جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ تھا۔ ایک جوان اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مجھے عطا کی تھی۔ میں ان دونوں اونٹنیوں کو ایک انصاری آدمی کے دروازے پر باندھا کرتا تھا۔ میرا کام یہ تھا کہ ان پر اذخر گھاس لاد کر لاؤں اور بیچوں۔ میرے ساتھ اس کام میں بنوقینقاع کا ایک سنار بھی شامل تھا۔ میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہونے والا تھا۔ میں

چاہتا تھا کہ اس آمدنی سے ولیمہ کروں ایک دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اسی گھر میں بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ایک مغنیہ گانا گا رہی تھی اس مغنیہ نے یہ مصرعہ گایا'الا یا حمزة للشرف النواء اٹھو حمزہ فربہ جوان اونٹنیاں !! یہ مصرعہ سنتے ہی حضرت حمزہ تلوار لے کر ان اونٹنیوں کی طرف لپکے اور ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور پیٹ پھاڑ کر ان کے کلیجے نکال لیے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب میں نے یہ منظر دیکھا تو سخت گھبرا گیا اور اسی وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر سارا قصہ سنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت زید بن حارثہ بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ ہم تینوں روانہ ہوئے اور حمزہ کے پاس آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہوئے۔مگر حمزہ رضی اللہ عنہ (جو نشہ میں دھت تھے) نے آنکھ اٹھائی اور کہا تم ہو کیا؟ تم لوگ میرے باپ دادا کے غلام ہی تو ہو۔یہ صورت حال دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے پاؤں واپس لوٹ آئے۔اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔(بخاری۔کتاب المساقاۃ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین وانصار کی ایک مجلس میں گیا وہ کہنے لگے،آؤ تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں اور یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے چنانچہ میں ان کے ہاں ایک باغ میں گیا۔کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس ایک اونٹ کی بھنی ہوئی سری اور شراب کا ایک مشکیزہ رکھا ہوا ہے۔میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا اور پیا۔پھر میں نے ان سے مہاجرین وانصار کا ذکر کیا اور کہا کہ مہاجرین انصار سے اچھے ہیں (یہ سن کر) ایک آدمی نے سری کا ایک جبڑا جو مجھے مارا تو میری ناک کو زخمی کر دیا اور چیر دیا۔میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انہیں یہ بات بتلائی۔تو اللہ عزوجل نے میرے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾

(مسلم۔کتاب الفضائل۔باب فی فضل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ)

شراب نوشی کی سزا:

قرآن حکیم میں شراب نوشی کی سزا بیان نہیں کی گئی اور نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سزا مقرر کی۔رسول اکرم کے عہد مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر شرابی کی چھڑیوں' جوتوں اور ہاتھوں سے پٹائی کی جاتی۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے ابتدائی دور میں بھی اسی طرح شرابی کی پٹائی کی جاتی تھی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں چالیس کوڑے مارے جاتے ۔ اور شرابی اگر سرکشی اور نافرمانی کرتا تو اسے کوڑے مارے جاتے (بخاری ۔ کتاب الحدود) ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی شرابؓ نوش کو چالیس کوڑے لگائے ۔ (بخاری کتاب الحدود) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض علاقوں میں شراب نوشی عام ہوگئی تو انہوں نے شرابیوں کی تنبیہ کیلئے زیادہ سختی برتتے ہوئے شراب نوشی کی سزا اسی کوڑے مقرر کردی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی مطابقت میں مالکیہ' حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شراب نوشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے ہے ۔ جبکہ شافعیہ اسی کی سزا چالیس کوڑے قرار دیتے ہیں ۔

جمہور ائمہ علماء شراب پینے کی سزا کو حد خیال کرتے ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ حد نہیں بلکہ تعزیر ہے ۔

شراب دوا نہیں بیماری ہے :

بعض لوگ تھوڑی سی شراب کو بطور دوا استعمال کرتے ہیں جبکہ اسلام میں نہ تھوڑی سی شراب پینا دوا ہے اور نہ خرید و فروخت کا معاملہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح اپنی دکان یا گھر میں بھی شراب رکھنا ناجائز ہے ۔ جشن وغیرہ کی محفلوں میں پیش کرنا اور غیر مسلم مہمانوں کی اس سے تواضع کرنا بھی کسی صورت جائز نہیں ہے ۔ دوا کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت مانگنے والے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ (انه ليس بدواءٍ ولكنه داء) شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے (مسلم' ابوداؤد) نیز فرمایا :

((ان الله انزل الداء والدواء فتداووا ولا تتداووا بحرام)) (ابو داؤد)

''اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا نازل کی ۔ پس دوا کرو مگر حرام کے ساتھ نہ کرو ۔''

امام ابن قیم فرماتے ہیں اگر علاج کیلئے شراب کو مباح قرار دے دیا جاتا تو وہ شہوت ولذت کے حصول کا ذریعہ بھی بن سکتی تھی ۔ خصوصاً جبکہ لوگ اسے مفید اور موجب شفاء بھی خیال کرتے ہوں ۔ اس کے باوجود شریعت کی نظر میں مجبوری ایک حقیقت ہے ۔ اگر کوئی

ایسی دوا ہو جس میں شراب ملی ہوئی ہو اور کسی ایسے مرض کا علاج قرار پائے جس میں انسانی زندگی خطرے میں ہو کوئی اور دوا اس کا متبادل نہ ہو تو شریعت کے اصول جو آسانی پیدا کرنے اور تکلیف کو دور کرنے والے ہیں اس کے استعمال سے نہیں روکتے۔ بشرطیکہ یہ استعمال ممکنہ تنگ دائرہ کے اندر ہو۔ ارشاد ربانی ہے ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾[1] پھر جو مجبور ہو جائے۔ بغیر اس کے کہ وہ اس کا چاہنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

شراب تحفہ کے طور پر نہیں دی جاسکتی:

بعض اعلیٰ سوسائٹی کی تقاریب، جہاں دوسرے مذاہب کے مہمان بھی ہوتے ہیں وہاں بھی غیر مسلم مہمانوں کی شراب سے تواضع نہیں کی جاسکتی نہ ہی اپنے غیر مسلم دوستوں کو شراب تحفے کے طور پر دی جاسکتی ہے۔ مسلمان پاک ہے اور پاک چیز کا ہی تحفہ لینا یا دینا پسند کرتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے چاہا کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شراب تحفتاً پیش کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ نے شراب حرام کردی ہے۔ اس نے پوچھا۔ پھر اسے فروخت کر دوں؟ فرمایا جس ہستی نے شراب کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کا فروخت کرنا بھی حرام قرار دیا ہے اس نے کہا پھر میں اس کا کیا کروں؟ فرمایا بطحاء کے راستوں پر بہا دو۔[2]

قرآن مجید میں خمر و میسر کی حرمت کا حکم اکٹھے آیا ہے اور دونوں کی خرابیاں بھی اکٹھے ہی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی یہ شیطانی کام ہیں۔ آپس میں بغض و عداوت کا سبب بنتے ہیں۔ اور اللہ کی یاد اور نماز سے روکتے ہیں۔ شیطان انسان کا ازل سے دشمن ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ انسان دین اور دنیا دونوں جگہ نقصان اٹھائے۔ دنیا میں شراب اور جوئے کی طرف لگا کر انسان کو نکما و ہڈ حرام اور بے کار بنا دیتا ہے۔ اپنے نفع و نقصان سے بے گانہ کر دیتا ہے۔ جس

---

[1] البقرہ: ۱۷۳ [2] مسند حمیدی

شخص کا رویہ اس طرح کا بن جائے اس کا دل یادِ الٰہی اور نماز کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں مال جیتنے کی آرزو اور ہارنے کا پچھتاوا ہوتا ہے۔ ہر طرف سے اس پر طعن ملامت بھی ہوتی ہے۔ جبکہ آخرت میں بھی اس کیلئے سوائے افسوس اور پچھتاوے کے کچھ نہ ہوگا اور جہنم اس کا مقدر ہوگی۔

قربِ قیامت۔ شراب کو حلال سمجھنا:

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "میری امت کے کچھ لوگ زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال کرلیں گے۔" (بخاری)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے لوگ شراب پئیں گے لیکن اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے ان کی سر پرستی میں باجے بجیں گے، گانے والیاں گائیں گی اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور (بعض کو) بندر اور خنزیر بنا دے گا۔" (ابن ماجہ)

❁ ❁ ❁

(۵) انفاق فی سبیل اللہ کی حد

﴿یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

''آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں۔ان سے کہیے۔ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔''

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ثعلبہ رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا۔ ہمارے بال بچے بھی ہیں۔ غلام بھی ہیں اور مال دار بھی ہیں۔ ہم کیا کچھ اللہ کی راہ میں دیں؟ جس کے جواب میں قل العفو کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے' بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے۔

اب نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے کسی حصے میں ضرورت سے زائد مال کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کے پاس سب سے پہلے دولت اس وقت ہاتھ میں آئی جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار خاتون تھیں اور اپنے مال سے تجارت کرتی تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا سارا مال معہ ملازم زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کو دے دیا تھا اور آپ ﷺ نے اس سارے مال و دولت کو اپنی بعثت سے پہلے ہی خرچ کر ڈالا تھا۔ یہ مال آپ نے کن مدات میں خرچ کیا تھا؟ یہ شہادت بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی سنیے۔ جب آپ ﷺ پر پہلی بار غار حرا میں وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ ''مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے اپنی جان کا بھی خطرہ ہو چلا ہے۔'' تو اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تُقْرِئُ الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ)) (بخاری۔ کتاب الوحی)

"ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ خدا کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا کیونکہ (۱) آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں (۲) بے آسرا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں (۳) بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرتے ہیں اور (۴) مہمان نوازی کرتے ہیں اور (۵) حادثات یا مصیبتوں کے وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں۔"

اب دیکھ لیجئے یہ سب باتیں بالواسطہ مال و دولت کے خرچ کرنے سے متعلق ہیں۔ انہی امور میں آپ ﷺ نے وہ سب دولت خرچ کر دی تھی جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تجارت کیا کرتی تھیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں گھر سے نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے جا رہے ہیں۔ چاندنی رات میں انہوں نے مجھے دیکھ کر پاس بلا لیا۔ میں تھوڑی دیر آپ ﷺ کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْرًا فَنَفَخَ فِيْهِ يَمِيْنَهُ وَشِمَالَهُ وَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَائِهِ وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْرًا))

(بخاری کتاب الرقاق۔ باب المکثرون------)

"بے شک قیامت کے دن بہت مال و دولت رکھنے والے ہی زیادہ نادار ہوں گے مگر جسے اللہ نے دولت دی تو اس نے اپنے دائیں سے بائیں سے آگے سے اور پیچھے سے ہر طرف سے دولت کو (اللہ کی راہ) میں لٹا دیا اور اس مال سے بھلائی کمائی۔"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ جاتے جاتے جب احد پہاڑ نظر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور کہا: اے ابوذر! میں نے کہا "لبیک یا رسول اللہ ﷺ!" آپ ﷺ نے فرمایا "اگر اس پہاڑ برابر

سونا میرے پاس ہوتو مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ تین دن تک میرے پاس اس میں سے ایک اشرفی بھی رہ جائے الا یہ کہ مجھ پر کسی کا قرض ہو۔ میں اسے دائیں سے‘ بائیں سے‘ آگے سے‘ پیچھے سے‘ ہر طرف سے بانٹ کر ختم کر دوں۔'' پھر فرمایا ''قیامت کے دن بہت مالدار ہی بہت نادار ہوں گے مگر جس نے بائیں سے آگے سے پیچھے سے ہر طرح خرچ کیا (جوڑ کر نہ رکھا)'' پھر فرمایا ﴿وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ یعنی ''ایسے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔''

(بخاری کتاب الرقاق باب مثلٍ احد ذھبا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے آپ پر خرچ کر۔ کہنے لگا میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنے بال بچوں پر خرچ کر‘ کہنے لگا کہ ایک اور ہے‘ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کر‘ کہنے لگا کہ ایک اور ہے‘ فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر‘ کہنے لگا کہ میرے پاس ایک اور ہے فرمایا اب تو زیادہ جانتا ہے (جہاں چاہے خرچ کرے)۔[1]

ضرورت سے زائد سارا مال خرچ کر دینا نفلی صدقات کی آخری حد ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ سارے کا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی محتاج نہ ہو جائے۔ اور ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہارے زیر کفالت ہیں۔[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران فرمایا۔ جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اسے دے دے جس کے پاس نہیں ہے۔ جس کے پاس زائد زادِ راہ ہے وہ اسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی ایک ایک قسم کا ایسے ہی جدا جدا ذکر کیا۔ حتیٰ کہ ہم سمجھنے لگے کہ اپنے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے (مسلم۔ کتاب اللقطہ) صدقہ کی کم از کم حد فرضی صدقہ یعنی زکوۃ ہے۔ جو کفر اور اسلام کی سرحد پر واقع ہے۔ بالفاظ دیگر زکوۃ ادا نہ کرنے والا کافر ہے‘ مسلمان نہیں۔

[1] بخاری۔ کتاب الزکاۃ
[2] ابوداؤد۔ نسائی

جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں سے جہاد کیا تھا۔ ان دونوں حدوں کے درمیان وسیع میدان ہے۔ اہل خیر جتنی چاہیں نیکیاں کما سکتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے وہ عرض کرتیں' نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اچھا میں نے روزہ رکھ لیا ہے (احمد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا کسی اور چیز کا حق نہیں ہے۔ رہنے کیلئے گھر' ستر پوشی کیلئے کپڑا اور شکم سیری کیلئے روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **ولا یطوی لہ ثوب** کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا۔ دوسرا نہیں ہوتا تھا کہ تہہ کر کے رکھا جائے۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی پھر جلدی سے گھر میں تشریف لے گئے تھوڑی دیر میں باہر نکلے۔ میں نے یا کسی اور نے اس کا سبب پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیرات کے مال میں سے ایک سونے کا ٹکڑا گھر میں چھوڑ آیا تھا۔ مجھے برا معلوم ہوا کہ وہ رات کو میرے پاس رہے میں نے اس کو بانٹ دیا۔ (بخاری۔ کتاب الزکاۃ)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بہت سا گوشت آیا جو آپ نے سارے کا سارا تقسیم کر دیا اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ جب کھانا پکانے کا وقت آیا تو لونڈی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا "کچھ اپنے لیے بھی گوشت رکھ لیا ہوتا۔" فرمایا! "تم بروقت یاد کرا دیتیں تو رکھ لیتی۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت ابو درداء اسلام لانے سے قبل کامیاب تاجر تھے۔ اسلام لانے کے بعد عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ ہر قسم کی زیب و زینت سے مکمل طور پر بے رخی اختیار کر لی۔ اتنے ہی کھانے پر اکتفا کرتے تھے۔ جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ کھردرا کپڑا صرف اتنا استعمال کرتے کہ ستر پوشی ہو سکے۔ ایک سخت ٹھنڈی رات ان کے ہاں کچھ لوگ مہمان

ٹھہرے ان کی خدمت میں گرم کھانا پیش کیا۔لیکن کوئی بستر مہیا نہ کیا۔ جب سونے کا وقت ہوا تو آپس میں مہمان مشورہ کرنے لگے کہ ان سے بستر کیلئے کہیں۔ ایک آدمی دروازے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ابودرداء لیٹے ہوئے ہیں۔ ان کی بیوی ان کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ صرف ایک چادر اوڑھ رکھی ہے جو سردی کو نہیں روک سکتی۔ اس نے ابودرداء سے پوچھا۔ کیا آپ کے پاس کوئی لحاف نہیں ہے؟ آپ کا گھریلو سامان کہاں ہے؟ ابودرداء کہنے لگے ہمارا اصل گھر ایک دوسری جگہ واقع ہے۔ جو بھی سامان ہمیں دستیاب ہوتا ہے ہم وہاں روانہ کر دیتے ہیں۔ اگر آج ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ضرور آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ہمارے اس گھر کے راستے میں ایک دشوار گزار گھاٹی ہے۔ اسے عبور کرنے کیلئے ہلکا پھلکا راہی بھاری بھرکم مسافر سے کہیں بہتر ہے۔ ہم نے سوچا کہ اپنا بوجھ ہلکا کر دیں تاکہ اس دشوار گزار گھاٹی کو آسانی سے عبور کر سکیں۔[1]

جب نبی اکرم ﷺ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے تو جناب ابوذر غفاری بے چین رہنے لگے۔ چوں کہ مدینہ طیبہ نبی اکرم ﷺ کے وجود سے خالی اور آپ ﷺ کی مبارک مجالس سے محروم ہو چکا تھا۔ لہٰذا آپ وہاں سے شام کی طرف کوچ کر گئے۔ خلافت صدیقی و فاروقی میں وہیں مقیم رہے۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں دمشق کی طرف کوچ کر گئے۔ وہاں مسلمانوں کی یہ حالت زار دیکھی کہ وہ دنیاوی جاہ و جلال کے دل دادہ ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کہ آپ ﷺ بہت پریشان ہوئے۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ بلالیا۔ یہاں آ کر دیکھا کہ لوگ دنیا کی طرف پوری طرح راغب ہو چکے ہیں۔ اس پر بہت زیادہ کبیدہ خاطر ہوئے اور بڑی سختی سے لوگوں پر تنقید شروع کر دی جس سے تمام لوگ تنگ آ گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ کے جوار میں ربذہ نامی بستی میں منتقل ہونے کا حکم دیا۔ یہاں آپ رضی اللہ عنہ نے دنیا سے بالکل بے نیاز رسول اکرم اور صاحبین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔

[1] حیات صحابہ کے درخشاں پہلو

ایسے انفاق فی سبیل اللہ کی واضح مثال جنگ تبوک کے موقعہ پر سامنے آتی ہے۔
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ سے زیادہ مال دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مالدار تھے۔ دل میں خیال آیا کہ آج اپنے تمام تر اثاثہ کا نصف خرچ کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جائیں گے۔ چنانچہ جب اپنا مال لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ عمر رضی اللہ عنہ! کیا لائے ہو۔ عرض کیا کہ اپنے تمام اموال کا نصف حصہ لے آیا ہوں۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھوڑا سا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی سوال کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیا کچھ لائے ہو؟ عرض کیا سب کچھ ہی لے آیا ہوں۔ گھر میں بس اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی باقی ہے یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ کثرت مال کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔[1]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا مال قبول فرمالیا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنیً وابدأ بمن تعول)[2] کہ صدقہ وہ بہتر ہے جس کے بعد آدمی خود نہ محتاج ہو جائے۔ اور اپنے زیر کفالت سے شروع کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ پر توکل بے مثال تھا' جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری طرح سمجھتے تھے اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی مثالیں بیان ہوئیں ان کا بھی یہی حال تھا۔

اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شخص ایک انڈا بھر سونا لایا اور کہنے لگا یہ مجھے کان سے ملا ہے اور یہ صدقہ ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا تو اس شخص نے دائیں ہو کر یہی بات دہرائی تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کیا۔ پھر بائیں طرف' پھر پیچھے ہو کر یہی

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الزکاۃ [2] بخاری۔ کتاب الزکاۃ

بات دہراتا رہا۔ آخر آپ ﷺ نے وہ سونا پکڑا پھر اسے ہی دے دیا اور فرمایا۔ یہ تمہارے لیے ہے ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' تم میں سے ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگتا ہے۔ اس موقعہ پر بھی آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی خود محتاج نہ ہو جائے اس شخص کا صدقہ قبول نہ کرنے کی وجہ بھی اس حدیث میں مذکور ہے۔

میانہ روی:

اسلام ایک معتدل دین ہے اور ہمیں ہر معاملے میں میانہ روی اور اعتدال کا درس دیتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے (**خیر الامور اوسطها**) میانہ روی والے کام بہترین ہیں۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۹)

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھے رکھو اور نہ ہی اسے پوری طرح کھلا چھوڑ دو ورنہ خود ملامت زدہ اور درماندہ بن کر رہ جاؤ گے۔"

اپنا ہاتھ گردن سے باندھنا محاورہ ہے۔ جس کا معنی ہے بخل کرنا یعنی خرچ کرتے وقت نہ تو بخل سے کام لینا چاہیے اور نہ اتنا زیادہ خرچ کر دینا چاہیے کہ اپنی ضرورت کیلئے کچھ باقی نہ رہے اور خود انسان تکلیف میں پڑ جائے۔ خواہ یہ خرچ اپنی ضرورت کے سلسلہ میں ہو یا انفاق فی سبیل اللہ کی صورت ہو۔ انفاق فی سبیل اللہ کی یہ سب سے اونچی صورت ہے کہ وہ سب کچھ خرچ کر دیا جائے جو ضرورت سے زائد ہو۔ یعنی اس فرمان الٰہی میں بھی ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کو کہا گیا ہے سارا نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے **ما عال من اقتصد** یعنی جو میانہ روی اختیار کرے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

انفرادی حق ملکیت اور اشتراکی نظریہ کی تردید:

اشتراکی ذہن رکھنے والے حضرات نے ''العفو'' کے مفہوم کو سخت غلط معنی پہنائے ہیں۔حالانکہ آیت سے صاف واضح ہے کہ سوال کرنے والے خود اپنے اموال کے مالک تھے اور اپنی مرضی سے ہی ان اموال میں تصرف کی قدرت رکھتے تھے۔لہٰذا جو نظریہ اس آیت سے کشید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ آیت اس کی قطعاً متحمل نہیں ہے۔اشتراکی نظریہ کے مطابق ہر چیز کی مالک حکومت ہوتی ہے۔اشتراکی حکومت میں انفرادی ملکیت کا تصور تک نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہی نہ ہو تو وہ پس انداز کیا کرے گا اور خرچ کیا کرے گا اور انفاق کے متعلق کیا سوال پوچھے گا؟ گویا جس آیت سے اشتراکی نظریہ کشید کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہی آیت اس نظریہ کی تردید پر واضح دلیل ہے۔انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق سائلین نے اس وقت سوال کیا تھا جب جہاد کیلئے مصارف کی شدید ضرورت تھی۔جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے حکومت کو یہ اختیار نہیں دیا کہ لوگوں سے ان کے سب زائد اموال چھین لیے جائیں بلکہ مسلمانوں کی تربیت ہی اس انداز میں کی جارہی ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ اگر سارے کا سارا زائد مال دیں تو یہ سب سے بہتر اور مسلمانوں کے اللہ پر توکل کی سب سے بڑی دلیل ہے۔لیکن جو مسلمان اپنا سارا زائد مال نہیں دے سکتے یا نہیں دینا چاہتے ان پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔اشتراکی نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے۔جو حالات جنگ تو درکنار عام حالات میں بھی لوگوں کو حق ملکیت سے محروم کر دیتا ہے۔

اس نظریہ کو ہوا دینے والے پرویز صاحب فرماتے ہیں۔

حتی کہ ہنگامی صورتوں میں اسلامی حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو اور اس کی دلیل یہی آیت قل العفو پیش کی۔اب دیکھئے پرویز صاحب نے اس آیت کی تشریح میں اس آیت کے مفہوم کو یکسر الٹ کر رکھ دیا ہے۔سوال کرنے والے مسلمان یا رعایا ہیں۔وہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں اور جواب دینے والے

نبی اکرم ﷺ یا حکومت ہے کہ جو ضرورت سے زائد ہو یعنی خرچ کرنے کا عمل رعایا کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن وہ اس عمل کو حکومت کی جبری وصولی کے رنگ میں پیش کر رہے ہیں۔ اس معنوی تحریف کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ انہیں اپنے نظام ربوبیت کے لیے میدان ہموار کرنے کی جو ضرورت ہے اس کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ ایسی معنوی تحری کے مر تکب ہوں۔ اس کے مفہوم میں ''ہنگامی صورتوں میں'' کی جو چپر لگائی گئی ہے یہ قرآن کے کسی لفظ یا سیاق وسباق سے متبادر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہنگامی صورتوں میں مسلمان ضرورت سے زائد خرچ کر لیا کریں۔ لیکن عام حالات میں ایسا نہ کرنا چاہئے۔ لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کے خرچ کرنے کے اختیار کو حکومت کے جبری سلب کا جامہ پہنا دیا تو پھر "ہنگامی صورتوں میں" کا اضافہ بھی کچھ بے جا معلوم نہیں ہوتا۔ وہ سمجھانا یہ چاہ رہے ہیں کہ کمیونزم یا ان کا اپنا تشکیل کردہ نظام ربوبیت کے انقلاب کیلئے اگر حکومت عوام سے سب کچھ چھین لے تو انہیں افسوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے۔

(۶) یتیموں کے حقوق

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (البقرہ: ۲۲۰)

''وہ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان کی اصلاح ہی بہتر ہے اگر انہیں اپنے ساتھ ہی رکھ لو تو تمہارے ہی بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بگاڑ کر نیوالے اور اصلاح کرنے والے دونوں کو جانتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''

حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد' حقوق اللہ سے مراد تو نماز' روزہ' زکوۃ اور دوسرے احکام ہیں جو اللہ نے ہم پر فرض کیے جبکہ حقوق العباد سے مراد بندوں کے حقوق ہیں۔ قیامت والے دن حقوق اللہ تو اللہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے نہ بخشے کہ یہ اللہ اور بندے کا معاملہ ہے اور اللہ اپنے بندوں پر یقیناً بہت مہربان ہے۔ مگر حقوق العباد اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے۔ جب تک بندہ نہ بخشے۔ کسی کی حق تلفی کرنا ظلم اور جرم عظیم ہے۔ جس کا جیسا حق ہے پورا پورا ادا کرنا چاہیے ورنہ قیامت کے دن یہ حقوق ادا کرنا ہوں گے۔ اس وقت عمل کا وقت تو نہ ہوگا اپنی نیکیاں ہی ان حقوق کے بدلہ میں دینی پڑیں گی۔ آخر کار انسان خود تہی دامن ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بات مثالوں کے ذریعے سمجھایا کرتے تھے تا کہ کسی کیلئے کوئی ابہام نہ رہ جائے ایک دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کہنے لگے ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال و متاع نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا! میری امت میں درحقیقت مفلس وہ ہے جو قیامت کے

روز نیک اعمال نماز روزے زکوۃ وغیرہ کے ساتھ حاضر ہوگا۔ ایسی حالت میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال ہضم کیا ہوگا کسی کی خون ریزی کی ہوگی اور کسی کو ناحق مارا ہوگا۔ ہر مظلوم کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اگر ان مظالم کا حق ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس ظالم کے سر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔[1]

دیگر انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ یتیموں کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ یتیم وہ بچہ ہے جو اپنے باپ کے سایہ سے محروم ہوگیا ہو۔ باپ کے مرنے سے یتیموں کی زندگی بے سہارا اور بے یارومددگار ہو جاتی ہے۔ ان کے سر پر دست شفقت پھیرنے والا نہیں ہوتا نہ ہی اس کا کوئی پرسان حال ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی دل جوئی اور حسن سلوک سے پیش آنا بہت ضروری ہے۔ ان کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھنا اس کے اقارب کا فرض ہے۔ اس کا بہت ثواب اور مرتبہ ہے۔ یتیم کی پرورش کرنے والے جنت میں رسول اکرم کے ساتھ ہوں گے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

(انا وكافل اليتيم في الجنةهكذا واشار بالسبابة والوسطى و فرّج بينهما) (بخاری)

''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں ہیں۔ یعنی شہادت والی اور درمیانی انگلی اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھا۔''

یتیم کی پرورش کی فضیلت:

اسی طرح ترمذی کی ایک حدیث میں ہے جو کسی مسلمان یتیم بچے کو اپنے ساتھ کھلائے' پلائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً جنت میں داخل کرے گا۔ سوائے اس صورت میں کہ اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو جو معاف ہی نہ ہو جیسے شرک وغیرہ۔

[1] ترمذی، مسلم

کفالت کا مطلب ہے ان کی نگرانی کرنا۔ ان کو ضروریاتِ زندگی فراہم کرنا۔ اور پیار و شفقت سے ان کو پالنا۔ اگر وہ صاحب جائیداد ہیں تو بغیر کسی حرص و طمع کے ان کی جائیداد کی کفالت کرنا کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ اگر ممکن ہو تو اسے کاروبار میں لگا دے تاکہ سالانہ زکوٰۃ میں ہی وہ ختم نہ ہو جائے۔ اس طرح ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا جیسے انسان اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں ان تعلیمات پر اگر صحیح معنوں میں عمل ہو تو یتیم اور بے سہارا بچوں کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا کام نہایت آسانی اور خاموشی کے ساتھ انجام پا سکتا ہے۔ کوئی بچہ بھی محرومی یا غیر آسودہ زندگی کا شکوہ نہیں کر سکتا۔ نہ ہی وہ بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس طرح والدین کو اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے سودی سکیموں میں حصہ دار بننے کی بھی ضرورت نہیں لاحق ہوتی۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میدان کارزار میں جام شہادت نوش کرتے یا کوئی اپنی طبعی موت فوت ہو جاتا تو ان کے بچوں کے ساتھ عام طور پر کچھ اچھا سلوک نہ ہوتا۔ اگر متوفی امیر ہوتا تو اسکے اولیاء ان یتیم بچوں کے سرپرست تو بن جاتے مگر ان کے مال میں ہیرا پھیری کرتے۔ بعض اوقات وہ سارا مال و دولت ہضم کر جاتے۔ اس طرح ان بچوں کے ساتھ ظلم اور ناانصافی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے والیوں کو حکم دیا کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں ان کے حوالے کر دو۔ اپنے مالوں کے ساتھ خلط ملط کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو۔ اپنے حلال مال کے ساتھ حرام کی آمیزش نہ کرو۔ لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے موٹی تازی بکری نکال کر دبلی پتلی بکری شامل کر کے گنتی پوری کر دی۔ یتیم لڑکیوں سے صرف اس وجہ سے نکاح کر لیتے کہ اس طرح سارا مال دولت مل جائے گا۔ کسی اور جگہ نکاح کرنے کی صورت میں یہ مال و دولت سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ ایک یتیم لڑکی تھی۔ جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی۔ جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا۔ یتیموں

کی حالت بہتر نہ تھی۔ ان کے مفادات کا تحفظ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾

(الانعام:۱۵۲)

''یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو حتیٰ کہ وہ عقل کی پختگی کو پہنچ جائے۔''

یتیم کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا کبیرہ گناہ ہے:

اگر تمہارے پاس یتیم کا مال ہے تو اسے صرف اس طریقے سے خرچ کرو جس میں یتیم کا بھلا اور بہتری ہو۔ اس سے اپنا کوئی ذاتی مفاد حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہ کرو۔ نہ ہی اس قسم کی بات دل میں سوچو، یتیم کا مال اس کا ولی صرف اس صورت میں کھا سکتا ہے۔ جبکہ وہ خود تنگدست اور محتاج ہو۔ اس صورت میں وہ صرف معروف طریقے سے اس میں سے لے سکتا ہے جو کسی بھی فریق کیلئے قابل اعتراض نہ ہو۔ یتیم کا مال کھانے کو نبی اکرم ﷺ نے سات بڑے بڑے گناہوں میں پانچویں نمبر پر شمار کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والے گناہوں سے بچو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ وہ کون کون سے ہیں فرمایا! اللہ سے شرک کرنا، جادو، ایسی جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ سود، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا اور بھولی بھالی پاک باز مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔[1]

کمسن بچے کا یتیم ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاشرے کا اور یتیم کے اولیاء کا امتحان ہے۔ معصوم اور بے سمجھ یتیم بچہ کمزور اور بے سہارا ہوتا ہے۔ نہ اس میں طاقت اور نہ عقل و شعور، اس کا سرپرست آسانی سے اس کا مال ہتھیا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا۔

[1] بخاری۔ کتاب المحاربین

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْماً اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَاراً وَّسَیَصْلَوْنَ سَعِیْراً﴾ (النساء: ۱۰)

”جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔“

حدیث میں یتیم کا ناحق مال کھانے والے کیلئے سخت تنبیہ اور عذاب کی وعید آئی ہے۔ آپ ﷺ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے چند لوگوں کو دیکھا جن کے لب اونٹوں جیسے تھے۔ ایک فرشتہ ان کے لب کھول کر منہ میں انگارے ڈالتا تو وہ ان کے نیچے سے نکل جاتے۔ وہ درد کے مارے چیختے چلاتے۔ پھر فرشتہ اور انگارے ان کے منہ میں ڈال دیتا اور انہیں مسلسل یہ عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھایا کرتے تھے' ایک دوسری روایت میں ہے کہ یتیم کا مال کھانے والا قیامت کے دن اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ' نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہونگے۔ ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال ناحق کھانے والا ہے۔

جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم رہتے تھے انہوں نے ان کا اناج اور کھانا پینا الگ کر دیا۔ اب عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو کھانے یا سڑ جانے کے بعد پھینک دیا جاتا۔ گھر والوں میں سے کوئی بھی اسے گناہ کے خوف سے ہاتھ نہ لگاتا۔ یہ بات دونوں کیلئے ناگوار تھی۔ ایسی ہی صورت حال سے متعلق رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا جس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اصل میں تو یتیموں کی اصلاح اور بھلائی مقصود ہے۔ جس صورت میں وہ میسر آئے وہ تم اختیار کر سکتے ہو اگر تم ان کا مال اپنے مال میں ملانا مناسب سمجھتے ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ آخر وہ تمہارے ہی بھائی ہیں۔ یعنی تم ان کا مال ملا بھی سکتے ہو اور الگ بھی کر سکتے ہو۔ کچھ مال ملا لو یا بعض حالتوں میں ان کا مال الگ کر دو۔ ہر صورت درست ہے۔ بشرطیکہ تمہاری اپنی نیت بخیر ہو اور اصل مقصود یتیم کی بھلائی ہو اور اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کئی طرح کی

پابندیاں عائد کر کے تم پر سختی کر سکتا تھا۔ یہ اس کی رحمت اور مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں ہر طرح کی صورت حال کی اجازت دے دی ہے۔

اس کے بعد اگلے درجے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء:٦)

''اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو تا آنکہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان میں اہلیت معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔''

گویا یتیموں کو ان کے مال واپس کرنے کیلئے دو شرطیں ہیں۔ ایک بلوغت دوسرے رشد۔ یعنی مال صحیح طور پر استعمال کرنے کی اہلیت' یہ اہلیت معلوم کرنے کیلئے تمہیں ان کا تجربہ کرتے رہنا چاہیے۔ یہ چیزیں معمولی معمولی باتوں سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ آیا وہ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ' جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں اس کا مال اس کے حوالہ نہ کرنا چاہیے۔ بلوغت کیلئے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ گرم ممالک میں لڑکے لڑکیاں جلد بالغ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لڑکوں کو احتلام ہونا اور لڑکیوں کو حیض آنا اور چھاتیاں ابھرنا خاص علامات ہیں۔ پھر کچھ ایسی بھی علامات ہیں جو ان دونوں میں یکساں پائی جاتی ہیں۔ جیسے عقل داڑھ کا اگنا اور آواز نسبتا بھاری ہو جانا جیسے گھنڈی پھوٹنا بھی کہتے ہیں۔ بغلوں کے نیچے اور زیر ناف بال اگنا اور لڑکوں کی داڑھی مونچھ کے بال اگنا بھی بلوغت کی علامات میں سے ہے۔ زیر ناف بالوں کا اگنا بھی بلوغت کی علامات میں سے ہے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے۔ حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک شخص معلوم کرے جس کے زیر ناف بال نکل آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے اور نہ نکلے ہوں تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ یہ بال میرے نہ نکلے تھے اس لیے مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں۔

یتیم کا سرپرست اگر کوئی مال دار شخص ہے تو اسے یتیم کے مال میں سے حق الخدمت

کے طور پر کچھ لینا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر سرپرست خود تنگدست ہے تو مال کے تجارت پر لگانے اور حق المحنت کے طور پر معروف طریقہ سے واجبی سا خرچہ لے سکتا ہے جسے کوئی غیر جانبدار آدمی بھی واجبی قرار دے۔ نیز جو کچھ وہ حق الخدمت لے۔ چوری چھپے نہ لے بلکہ اعلانیہ متعین کر کے لے اور اس کا حساب رکھے۔

حدیث میں ہے کہ سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کی پرورش اچھی ہو رہی ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جا رہی ہو۔

عید کے دن لوگ اپنے بچوں کی تمام فرمائشیں اور ضروریات تو پوری کرتے ہیں۔ مگر یتیم بچہ اس دن مایوسی اور پریشانی کا شکار رہتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عید الفطر نماز کی ادائیگی سے قبل فطرانہ ادا کیا جائے تاکہ یتیم مسکین اور محتاج بھی اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ جس کا باپ ہی نہیں اس کی ضروریات کون پوری کرے گا؟ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اپنے لخت جگر کے نہ جانے کون کون سے ارمان پورے کرتا مگر یتیم کس پر دباؤ ڈالے۔ کس کا پلہ تھام کر نئے کپڑے اور نئے جوتے کی فرمائش کرے۔ محسنِ انسانیت فخر آدمیت نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ایک واقعہ ملاحظہ کریں۔

آپ ﷺ عید الفطر کی نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں آپ ﷺ نے دیکھا کہ بچے عید کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ مگر ایک بچہ مایوس اور پریشان لگ تھلگ کھڑا ہے۔ چہرے پر افسردگی طاری ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا دل بھر آیا اور شفقت سے پوچھا۔ بیٹا کیا بات ہے تمہیں معلوم ہے آج عید کا دن ہے۔ خوشی و مسرت کا دن ہے تم پریشان ہو' کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میرا باپ ایک غزوہ میں شہید ہو گیا۔ والدہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ سوتیلے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ نہ میرا باپ ہے اور نہ ہی اس وقت ماں ہے۔ میں اپنے والد کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔ ایسی حالت میں مجھے کیا مسرت حاصل ہو سکتی ہے؟ عید تو ان بچوں کی ہے جن کے ماں باپ زندہ ہیں۔ مائیں جن کے ناز دیکھتی ہیں۔ باپ جن پر جان چھڑکتے ہیں۔ رنگ برنگے کھانے اور خوشنما لباس ان کا مقدر ہیں اور انہیں گھر میں ہر طرح کی آسائش مہیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ اس یتیم بچہ کی دردناک داستان سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کو اپنے گھر لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہا کہ اس کو نہلاؤ۔ نئے کپڑے پہناؤ' کھانا کھلاؤ اور پیار محبت کی باتیں کر کے دل بہلاؤ۔ پھر نبی رحمت ﷺ اس یتیم بچہ کو لے کر آئے۔ دیکھا تو بچہ اب بھی خوش نہیں۔ پوچھا اب کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! بیٹا خوش ہو جاؤ۔ کیا تو پسند نہیں کرتا کہ تیرے باپ کی جگہ محمد ﷺ تیرا باپ ہو۔ تیری ماں کی جگہ عائشہ رضی اللہ عنہا تیری ماں ہو۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمہاری بہن ہو۔ بچہ نے یہ سن کر عرض کیا بھلا اس سے بڑھ کر میرے لیے آج عید کے دن کون سی خوشی ہو سکتی ہے۔ میرے جیسا کوئی بھی خوش نصیب نہیں ہو سکتا۔ اب میں جس قدر خوشی کا مظاہرہ کروں کم ہے۔ سرورِ کائنات کی زندگی میں یہ بچہ آپ ﷺ ہی کے سایہ رحمت میں رہا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بچے کی مسلسل خبر گیری کرتے رہے۔ ہمیں بھی نبی اکرم ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ سے سبق سیکھنا چاہیے اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی' مروت اور محبت و شفقت کا سلوک کرنا چاہیے۔ خاص طور پر عید کے دن حسن سلوک اور رواداری کی روایات کو زندہ رکھیں۔ (آمین)

(۷) حیض کے مسائل

﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (البقرہ:۲۲۲)

''وہ آپ ﷺ سے حیض کے بارے پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے وہ گندگی کی حالت ہے لہٰذا حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔ ان کے قریب نہ جاؤ۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جا سکتے ہو۔ جہاں سے اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

حیض اس خون کو کہتے ہیں۔ جو بالغہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے۔ اور معلوم اوقات میں وہ اس کی عادی ہوتی ہے۔ طبی حیثیت سے حیض کے دوران عورت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ صحت کی نسبت بیماری کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اذیٰ کے معنی تکلیف بیماری اور گندگی کے بھی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا کم از کم وقت ایک دن اور رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن' اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تین روز سے لے کر دس روز تک ہو سکتا ہے۔ عام طور پر یہ خون چھ سات دن تک آتا رہتا ہے۔ طہر یعنی حیض کے علاوہ باقی دنوں کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے۔ ملکی' موسمی اور عورتوں کی طبائع کے لحاظ سے ایام کی تعداد میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ویسے ہر عورت کو اپنی طبیعت یا عادت کی روشنی میں علم ہوتا ہے کہ اس کے ایام کی تعداد کتنی ہے۔ عام طور پر طہر تئیس یا چوبیس دن رہتا ہے۔ اس میں اولاد کی تربیت کی حکمت پوشیدہ ہے۔

امت مسلمہ کیلئے رخصت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے' نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عائشہ نے سلام کا جواب دیا اور داخل ہونے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا ام المومنین! ایک مسئلہ پوچھتا ہوں مگر شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا' سن! میں تیری ماں ہوں اور تو میرے بیٹے کی طرح ہے۔ جو پوچھنا ہو پوچھ۔ کہا فرمایئے آدمی کیلئے اپنی حائضہ بیوی حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرم گاہ کے سب جائز ہے۔ (ابن جریر)

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مضبوطی سے تہبند باندھنے کا حکم دیتے۔ پھر میرے ساتھ چمٹ کر لیٹ جاتے۔ حالانکہ میں اس وقت حالت حیض میں ہوتی تھی۔ (بخاری۔ مسلم)

یہود و نصاریٰ دونوں اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار تھے۔ یہود تو دوران حیض ایسی عورتوں کو الگ مکان میں رکھتے اور ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی نہ کھاتے تھے۔ نصاریٰ دوران حیض مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ خاوند اور بیوی دونوں اکٹھے مل کر رہ سکتے ہیں۔ اکٹھا کھانا کھا سکتے ہیں حتی کہ میاں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے۔ اس کے گلے لگ سکتا ہے اور اس سے چمٹ بھی سکتا ہے (مباشرت کا لغوی معنی یہ ہی ہے) اور قرآن میں جو دوسرے مقام پر (باشروھن) مجامعت کے معنوں میں آیا ہے تو وہ کنائی معنی ہے۔ لغوی نہیں' بس صرف مجامعت نہیں کر سکتا۔

حیض کے دوران عورت کے لئے ممنوعہ کام:

حیض کے دوران عورت جو کام نہیں کر سکتی وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) وہ نماز نہیں پڑھ سکتی اور حیض کے دوران اسے نماز معاف ہے۔ قضا نہیں ہے۔

(۲) روزے بھی نہیں رکھ سکتی۔ لیکن روزے معاف نہیں بعد میں قضا دینا ہوگی۔

(۳) وہ ماسوائے طواف کعبہ حج کے باقی سب ارکان بجا لا سکتی ہے۔ واجب طواف کعبہ کیلئے اسے اس وقت تک رکنا پڑے گا جب تک پاک نہ ہو جائے۔

(۴) وہ کعبہ میں یا کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔

(۵) وہ قرآن کو چھو نہیں سکتی' البتہ زبانی قرآن کریم کی تلاوت کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے۔

(۶) استحاضہ حیض سے بالکل الگ چیز ہے۔ استحاضہ بیماری ہے جبکہ حیض بیماری نہیں۔ بلکہ عورت کی عادت میں شامل ہے۔ لہٰذا استحاضہ میں وہ تمام پابندیاں اٹھ جاتی ہیں جو حیض کی صورت میں تھیں۔ حتیٰ کہ اس سے صحبت بھی کی جا سکتی ہے۔ اور اسے نماز روزے کی بھی پابندی کرنا ہوگی۔

حیض کے مقررہ ایام کے بعد جب عورت نہائے تو اس سے یہ تمام پابندیاں ہٹ جاتی ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے۔ اگر حیض کی ابتدا میں مجامعت ہو تو پورا دینار اور اگر خون بند ہو چکا ہو مگر (نہانے سے قبل) مجامعت کرے تو آدھا دینار[1] (ابوداؤد) تطھرن یعنی جب وہ پاک ہو جائیں۔ اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک خون بند ہو جائے' یعنی پھر غسل کیے بغیر بھی پاک ہیں۔ مرد

---

[1] دینار ساڑھے دس ماشہ سونا یا چار گرام سونے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا حساب سونے کی قیمت کے حساب سے کر لیا جائے۔ بعض نے کفارہ ادا کرنا واجب کہا اور بعض نے مستحب۔ احتیاط اسی میں ہے کہ توبہ بھی کرے اور کفارہ بھی ادا کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح' حاشیہ مولانا محمد سلیمان کیلانیؒ)

کے لیے ان سے مجامعت کرنا جائز ہے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض ائمہ نے بھی اسکی تائید کی ہے۔ (آداب الزفاف' ص ۴۷) دوسرے معنی ہیں خون بند ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ اس دوسرے معنی کے اعتبار سے عورت جب تک غسل نہ کرے۔ اس سے ہم بستری حرام ہوگی۔ امام شوکانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر) دونوں مسلک ہی قابل عمل ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ان دنوں میں ہم بستری نہ کرے۔ اگر غلطی سے کر بیٹھے تو کثرت سے استغفار کرے۔ کفارہ وغیرہ کچھ نہیں۔

❁ ❁ ❁

(۸) حلال وحرام

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ (المائدہ : ٤)

''وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا کچھ حلال کیا گیا ہے۔ کہہ دیجیے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ ان شکاری جانوروں کا شکار بھی جنہیں اس طرح سدھایا ہو جیسے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ لہٰذا جو شکار تمہارے لیے روکے رکھیں وہ کھا سکتے ہو۔ انہیں چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو' بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔''

زمانہ جاہلیت میں لوگ جن بہت سی باتوں میں گمراہی کا شکار ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک حلال وحرام کا معاملہ بھی تھا۔ جس میں وہ اس طرح الجھ گئے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھ بیٹھے۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا طرز عمل یکساں تھا ان کے نزدیک شراب نوشی' سود خوری' عورتوں سے بدسلوکی اور قتل اولاد جیسی چیزیں بالکل جائز تھیں۔ اپنے جگر گوشوں کو فقر و فاقہ کے اندیشے' لڑکی کی پیدائش کو باعث عار سمجھنا اور اپنے معبودوں کے تقرب کیلئے اولاد کو بھینٹ چڑھانے کا جواز بنا کر قتل اور زندہ گاڑ دیا کرتے۔ دوسری طرف بہت سی چیزوں کو حرام قرار دے دیا تھا جو کہ درحقیقت حلال ہی تھیں اسلام آنے پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے حلت وحرمت کے اصول مقرر کیے۔

تمام اشیاء اصلاً مباح ہیں:

اسلام نے جو پہلا اصول مقرر کیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام چیزیں اصلاً

حلال اور مباح ہیں۔ حرام صرف وہ چیزیں ہیں۔ جن کی حرمت کے بارے صحیح اور صریح نص وارد ہوئی۔ لہٰذا اگر صحیح نص موجود نہ ہو یا حرمت پر واضح طور پر دلالت نہ کرتی ہو تو اصل اباحت برقرار رہے گی۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرة : ٢٩)

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔''

ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے:

(سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السمن والجبن والفرا فقال الحلال ماأحلّ الله في كتابه و الحرام ما حرّم الله في كتابه ' وماسكت عنه فهو مما عفالكم)

''رسول اکرم ﷺ سے گھی پنیر اور گورخر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا' حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے' رہیں وہ چیزیں جن سے سکوت اختیار فرمایا ہے تو وہ معاف ہیں۔''

تحلیل وتحریم اللہ ہی کا حق ہے:

اسلام نے دوسرا اصول یہ مقرر کیا کہ کسی حکومت یا فرد کیلئے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا جائز نہیں بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ جو شخص بھی یہ کام کرے گا۔ وہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے کا مرتکب ہوگا۔ یہود ونصاری نے تحلیل وتحریم کے اختیارات اپنے احبار ورہبان کو دے رکھے تھے جس پر قرآن نے سخت تنقید کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَاحِداً لاَ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ٥﴾ (التوبہ : ٣١)

''انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار ورہبان کو اپنا رب بنالیا ور مسیح ابن مریم کو

بھی' حالانکہ انہیں ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ وہ جس اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔"

عدی بن حاتم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں نے احبار و رھبان کی عبادت تو نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیوں نہیں انہوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرایا تھا اور ان لوگوں نے ان کی اتباع کی۔ احبار و رھبان کی عبادت کا یہی مطلب ہے۔[1]

جب نبی اکرم ﷺ نے اپنی زوجات محترمات کے کہنے پر مغافیر والے شہد کو نہ استعمال کرنے کی قسم کھا لی یا ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ماریہ قبطہ رضی اللہ عنہا جو کہ آپ ﷺ کی حرم اور آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں' کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہی انداز میں فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ (التحریم: ۱)

"اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ ﷺ کیلئے حلال کر دیا اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں کیا اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

یہ آیت واضح طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کا اختیار کسی کے پاس بھی نہیں حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کو بھی نہیں۔

نیک نیتی حرام کو حلال نہیں کرتی:

یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے شرعی معاملات میں نیک ارادہ اور نیک نیتی کا اعتبار کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى[2]))

"اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کیلئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

---

[1] ترمذی [2] بخاری

ہر جائز کام جو مومن انجام دیتا ہے حسن نیت کی بنا پر عبادت بن جاتا ہے۔اس کے برعکس حرام حرام ہی رہتا ہے۔خواہ اس کا ارتکاب کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے۔اسلام میں یہ بات جائز نہیں کہ اعلیٰ مقصد کے حصول کیلئے حرام کو ذریعہ بنایا جائے۔

اگر کوئی شخص ہسپتال کے اخراجات یا سونامی متاثرین کی امداد کے لیے رقص وسرور کی محفل، سود یا رشوت کے ذریعہ کمائی کرتا ہے کہ اس سے مسجد بناؤں گا یا جہاد فنڈ میں چندہ دوں گا اس طرح مسجد بنانے کا بہترین کام اس کے حرام طریقے سے رقم کمانے کو جائز نہیں کردے گا۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِنَّ اللّٰہ طیب لا یقبل الاطیباً)

''بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے:

(من جمع مالاً من حرامٍ ثم تصدق به لم یکن له فیه اجر و کان اصره علیه)[1]

''جس نے حرام مال جمع کیا پھر اسے صدقہ کیا تو اس کیلئے کوئی اجر نہیں ہے بلکہ اس پر حرام کمائی کے گناہ کا بوجھ ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے ایک مثال بیان کی۔ایک شخص طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال غبار آلود اور پراگندہ ہیں اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے۔یارب! یارب! حالانکہ اس کا کھانا پینا اور لباس حرام کا ہے۔اور اس کے جسم نے بھی حرام سے پرورش پائی تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟

مجبوریاں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں:

اسلام نے حرام کے معاملہ میں سخت احکام دیئے ہیں مگر انسانی زندگی کی مجبوریوں کا ضرور لحاظ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اس بات کو جائز کر دیا ہے ایک مسلمان شدید

[1] ابن حبان، حاکم

مجبوری کے پیش نظر جان بچانے کیلئے اگر حرام کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردار' خون اور سور کے گوشت کی حرمت کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (البقرہ: ۱۷۳)

''جو شخص مجبور ہو جائے۔ نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ ہی حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

پوچھنے والوں کا تو مقصد یہ تھا کہ انہیں تمام حلال چیزوں کے متعلق بتایا جائے۔ تاکہ اس کے سوا سب کچھ حرام سمجھیں۔ جواب میں قرآن نے حرام چیزوں کی تفصیل بتائی اور اس کے بعد یہ عام ہدایت دے کر چھوڑ دیا کہ ساری پاک چیزیں حلال ہیں۔ اس طرح قدیم مذہبی نظریہ بالکل الٹ گیا۔ قدیم نظریہ یہ تھا کہ سب کچھ حرام ہے۔ بجز اس کے جو حلال ٹھہرایا جائے۔ قرآن نے اس کے برعکس یہ اصول مقرر کیا کہ سب کچھ حلال ہے۔ بجز اس کے جس کی حرمت بیان کر دی جائے۔ یہ بہت بڑی اصلاح تھی جس نے انسانی زندگی کو بندشوں سے آزاد کر کے دنیا کی وسعتوں کا دروازہ اس کیلئے کھول دیا۔ پہلے حلت کے ایک چھوٹے سے دائرے کے سوا ساری دنیا اس کیلئے حرام تھی۔ اب حرمت کے ایک مختصر سے دائرے کو مستثنیٰ کر کے سب کچھ اس کیلئے حلال ہو گیا۔

حلال کیلئے پاک کی قید اس لیے لگائی کہ ناپاک چیزوں کو اس اباحت کی دلیل سے حلال ٹھہرانے کی کوشش نہ کی جائے اب رہا یہ سوال کہ پاک ہونے کا تعین کس طرح ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیزیں اصول شرع میں سے کسی اصل کے تحت ناپاک قرار پائیں یا جن چیزوں سے ذوق سلیم کراہت کرے یا جنہیں' مہذب انسان نے بالعموم اپنے نظری احساس نظافت کے خلاف پایا ہو۔ ان کے ماسوا سب کچھ پاک ہے۔

شکاری جانوروں میں پرندے بھی شامل ہیں۔ جیسے باز اور شکرا وغیرہ یعنی کتا' چیتا' باز اور شکرا جسے یہ بات سکھائی گئی ہو کہ وہ شکار کو اپنے مالک کیلئے روک رکھے گا۔ خود اس میں سے کچھ نہ کھائے گا۔ اسی وجہ سے تمام درندوں کا پھاڑا ہوا جانور حرام ہے اور سدھائے

ہوئے درندوں کا شکار حلال۔اس آیت کی تشریح کیلئے درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جس وقت تو چھوڑے اپنے کتے کو تو اللہ کا نام لو۔ اگر کتے نے تیرے لیے شکار پکڑ رکھا اور تو اس کو زندہ پائے تو ذبح کر لے۔ اگر پایا اس حالت میں کہ مار ڈالا کتے نے اور اس میں کچھ کھایا نہیں تو اسے کھا لے۔ اگر اس نے کھایا ہو تو نہ کھا پس اس کو اپنے لیے روکے رکھا کتے نے' اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا دیکھے اور اس نے اس کو مارا تو نہ کھا کیونکہ تو نہیں جانتا کہ کس نے مارا ہے؟ جب تو تیر پھینکے تو اللہ کا نام لے اگر وہ (شکار) ایک دن تک تجھ سے غائب رہے اور تو اس میں اپنے تیر کے سوا کوئی نشان نہ دیکھے۔ اگر چاہے تو اس کو کھا لے۔ اگر اس کو پانی میں ڈوبا ہوا دیکھے تو نہ کھا۔[۱]

(۲) ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو شخص اپنے شکار کو تین دن بعد پائے۔ اگر اس میں بدبو وغیرہ نہیں تو کھا لے۔[۲]

(۳) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مغفل کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری یا پتھر پھینک کر شکار کرنے سے منع فرمایا۔[۳]

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ہمارے پاس بعض لوگ گوشت لاتے ہیں اور ان کا زمانہ شرک کے قریب ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا یا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کا نام لو اور کھالو۔[۴] اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے۔ جبکہ انہوں نے اس پر خدا کا نام لیا ہو۔ جو غیر اہل کتاب ہیں اور ان کا شرک بھی واضح ہے تو ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

(۵) شداد بن اوس سے روایت ہے۔ رسول اکرم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم کیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو' جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو' چاہیے کہ تیز کرو اپنی چھری اور ذبیحہ کو آرام دو۔[۵]

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری

[۱] بخاری۔مسلم [۲] مسلم [۳] بخاری [۴] بخاری [۵] مسلم

جانور نے' خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ' شکار میں سے کچھ کھالیا تو وہ حرام ہوگا۔ کیونکہ اس کا کھالینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کیلئے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھالیا تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھالیتا ہے تو بقیہ دو تہائی حلال ہے۔ اس معاملے میں پرندے اور درندے کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کچھ کھالیا تو حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ ادران کے اصحاب کا ہے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ ملے تو پھر خدا کا نام لے کر اسے ذبح کر لینا چاہیے۔ اگر زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر ہی حلال ہوگا۔ کیونکہ ابتداء شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لیا جاچکا ہے۔ یہی حکم تیر کا بھی ہے۔

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن ہر کچلی والے جانور جو دانت سے شکار پکڑتا ہے جیسے بھیڑیا شیر۔ کتا۔ چیتا۔ ریچھ یا بلی وغیرہ ہر پنجہ والے پرندوں سے (یعنی جو پنجہ سے شکار پکڑتے ہیں) جیسے باز' عقاب' شکرا اور چیل وغیرہ) مجثمہ اور خلیسہ سے منع کیا۔ مجثمہ سے مراد وہ جانور ہے جس کو کھڑا کر کے تیروں سے مارا جائے اور خلیسہ وہ جانور ہے جس کو کسی بھیڑیے یا درندے نے پکڑ لیا ہو۔ کوئی اس کو دیکھے اور اس کو چھین لے۔ اور ذبح کرنے سے پہلے اس کے ہاتھوں میں مر جائے [1]۔ علاوہ ازیں اگر زندہ حلال جانور سے اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ بھی کھانا حرام ہے [2]۔ اس کے علاوہ اگر ہم کوئی جانور اونٹنی یا گائے بکری وغیرہ ذبح کریں اور اس کے پیٹ میں بچہ نکلا اگر چہ وہ مردہ ہو تو وہ کھانا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی ماں کو ذبح کرنا ہی اس بچے کیلئے بھی ہے۔ [3]

❁❁❁

---

[1] ترمذی [2] ترمذی۔ ابوداؤد [3] ابوداؤد، ابن ماجہ

(۹) قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

''وہ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں کہ کب قائم ہو گی۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ یہ آسمان اور زمین کا بھاری حادثہ ہوگا۔ جو یک دم تم پر آن پڑے گا۔ لوگ آپ ﷺ سے یوں پوچھتے ہیں جیسے آپ ﷺ ہر وقت اس کی ٹوہ میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سے کہیے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

قیامت کا آنا یقینی ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں (مشہور صحابی دحیہ کلبی کی شکل میں) تشریف لائے اور رسول اکرم ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کا علم سوال کیے گئے (یعنی محمد ﷺ) کو سوال کرنے والے (یعنی جبرئیل) سے زیادہ نہیں۔ البتہ میں تمہیں قیامت کی علامات بتا دیتا ہوں۔ فرمایا! عورت کا اپنا مالک جننا' ننگے پاؤں پھرنے والوں کا حاکم بننا اور بکریاں چرانے والوں کا بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے (مسلم) ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ قیامت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان : ٣٤)

''بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ﴾ (حٰمٓ السجدة : ٤٧)

''قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ اور جو بھی پھل اپنے شگوفہ سے نکلتا ہے یا مادہ حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں انداز بیان ایسا ہے کہ جب یہ لوگ بے کار اور فضول سوال کرتے تو جواب کا رخ اس طرف موڑ دیتے جس کا تعلق عملی زندگی سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا یہ حال ہے کہ شگوفہ کے اندر اس کے پھل پکنے تک کیفیات جو گزرتی ہیں اور رحم مادہ میں جنین پر جو جو مرحلے پیش آتے ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ایسی ہی علیم وخبیر ہستی جب یہ خبر دے رہی ہے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے اور یہ بات بتانا مشیئت الٰہی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس طرح تخلیق انسانی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ کافروں کا یہ مشغلہ سا بن گیا تھا کہ وہ بار بار رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کرتے رہتے تھے تو اس کے جواب میں مختلف مقامات پر مختلف جوابات دیئے گئے اور ان میں وہ پہلو اختیار کیا گیا جس کا تعلق عملی زندگی سے ہو' رسول اکرم ﷺ کا بھی یہی طریقہ تھا چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں کسی شخص نے زور سے پکارا' یا محمد ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ تجھ پر افسوس! کیا تو نے اس کیلئے کچھ تیاری کر لی ہے۔[1]

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے وقوع کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں البتہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف اوقات میں قیامت سے پہلے پیدا ہونے والے فتنوں' پیش آنے والے بعض واقعات اور قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہونے والی علامات سے آگاہ فرمایا ہے۔

---

[1] مسلم

ذخیرہ احادیث میں وقوع قیامت کے حوالہ سے بعض روایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم باتیں کر رہے تھے ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا۔ قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب امانت ضائع کی جائے گی۔ تو اس وقت قیامت کا انتظار کر۔ اعرابی نے کہا کیسے امانت ضائع ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امور حکومت نااہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔[1]

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت یوں اچانک واقع ہوگی کہ دو آدمیوں نے اپنے درمیان کپڑا پھیلا رکھا ہوگا اور وہ اس کی خرید و فروخت نہ کر سکیں گے نہ لپیٹ سکیں گے۔ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لوٹ رہا ہوگا مگر وہ اسے پی نہ سکے گا۔ ایک آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا مگر اس سے اپنے جانوروں کو پانی نہ پلا سکے گا اور ایک آدمی اپنا نوالہ منہ کی طرف اٹھائے ہوئے ہوگا مگر وہ اسے کھا نہ سکے گا۔[2]

علاماتِ قیامت:

اس کے علاوہ احادیث میں اس کی بہت سی علامات بھی بیان ہوئیں ہیں۔ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا۔ اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے۔ لیکن اس وقت ایمان لانا بے سود ہوگا۔ (بخاری)

(۲) غیر مسلم قومیں اس طرح مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں گی جس طرح کھانا کھلانے والے ایک دوسرے کو دستر خوان پر بلاتے ہیں' اس کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ مسلمان دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگیں گے۔ (ابوداؤد)

(۳) قتل بہت ہوں گے حتی کہ قاتل کو علم نہیں ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا۔ مقتول کو علم نہیں ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ (مسلم)

---

[1] بخاری [2] بخاری۔ کتاب الرقاق

(۴) عورتیں ایسا لباس پہنیں گی کہ لباس کے باوجود عریاں نظر آئیں گی۔ (مسلم)

(۵) لوگ حلال وحرام میں تمیز نہیں کریں گے۔ (بخاری)

(۶) مسلمان یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر اس طرح چلیں گے کہ اگر وہ ایک بالشت چلیں گے تو مسلمان بھی ایک بالشت چلیں گے۔ حتیٰ کہ ان میں اگر کوئی اپنی ماں سے زنا کرے گا تو مسلمان بھی اپنی ماں سے زنا کریں گے۔ (بزار)

(۷) لوگ دولت کے عوض اپنا دین اور ایمان بیچ ڈالیں گے۔ (ترمذی)

(۸) قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ مسلمان یہودیوں کے خلاف جنگ کریں گے اور قتل کریں گے حتیٰ کہ اگر کوئی یہود کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپا ہوگا۔ وہ پتھر اور درخت پکارے گا۔ اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہے اسے قتل کر۔ (مسلم)

(۹) علم اٹھ جائے گا جہالت عام ہوگی۔ زنا اور شراب نوشی کی کثرت ہوگی۔ مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت ہوگی حتیٰ کہ پچاس عورتوں کا کفیل ایک مرد ہوگا۔ (بخاری)

(۱۰) عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے' عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کریں گے۔ صلیب توڑیں گے اور سور کو قتل کریں گے۔ (مسلم)

غرض قرب قیامت کیلئے بہت سی آیات بھی قرآن مجید میں نازل ہوئیں ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۝﴾ (الانبیاء:۱)

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا جبکہ وہ غفلت میں پڑے منہ پھیر رہے ہیں۔

قیامت کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہی اس بات کی علامت ہے کہ زمین میں بنی آدم کی آبادی کا آخری دور ہے۔ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی شہادت کی اور وسطی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ''میں اور قیامت ایسے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں''[1] اس حدیث کے بھی دو مطلب ہیں ایک یہ کہ جتنی لمبائی شہادت

---

[1] بخاری۔ کتاب الرقاق

کی انگلی کی ہے یہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر مجھ تک کا زمانہ ہے۔ جتنی وسطی انگلی شہادت کی انگلی سے بڑی ہے۔ یہ مجھ سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے۔ اس لحاظ سے تقریباً پانچ حصے عرصہ گذر چکا ہے اور ایک حصہ باقی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ اسی طرح میرے بعد تا قیامت کوئی نبی معبوث نہیں ہوگا۔ یہ بھی قرب قیامت کی علامت ہوگی۔ نیز اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے۔ اور موت کے ساتھ ہی ان کا حساب اور جزا وسزا شروع ہو جائے گی۔ اگر چہ یہ حساب اور جزا وسزا کا سلسلہ قیامت کی نسبت بہت ہلکا ہوگا۔ اس مطلب پر دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔[1]

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کی صورت میں یہ سوال کرتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ جس قیامت کے بارے میں ہر وقت ڈراتے رہتے ہو وہ قیامت لے کر آؤ۔ حالانکہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علم سے باہر ہے۔ یہ لوگ جتنا بھی اس سوال کے پیچھے پڑیں اور اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کریں گے بالآخر اس کا یہی جواب سامنے آئے گا۔ کہ اس بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس بات کا جاننا عملی لحاظ سے کچھ مفید بھی نہیں مثلاً ہر شخص کا یہ تصور ہوتا ہے کہ مرنے سے پہلے مجھے فلاں کام کرنا چاہیے۔ حالانکہ اپنی موت کا علم اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا قیامت کے عقیدہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں جو دارالامتحان ہے۔ ایسے کام کر جائے جو اس کیلئے مفید ثابت ہوں۔

قیامت کا وقت نہ بتانے کا فائدہ:

یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے قلع قمع کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کیا جا سکے۔ اس کے لیے ہنسی مذاق، ٹھٹھا وتحقیر کرتے تاکہ ان کے حوصلے توڑ دیئے جائیں۔ مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناروا تہمتوں اور

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن

بیہودہ گالیوں کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ کبھی آپ ﷺ کو پاگل کہتے اور کبھی آپ ﷺ پر جادوگر اور جھوٹے ہونے کا الزام لگاتے۔ آپ ﷺ کو جسمانی تکالیف بھی دی گئیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کو مسخ کرنے کیلئے شکوک وشبہات پیدا کر کے جھوٹا پروپیگنڈا کرتے اور آپ ﷺ کی ذات کو اعتراضات کا نشانہ بناتے۔ آخر کار ان کے اعتراضات کی تان اسی بات پر ٹوٹی کہ قیامت کب آئے گی۔ یہ لوگ آپ ﷺ سے اس طرح قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ اس کی تحقیق اور کھوج میں لگے ہوئے ہیں اور تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔

حالانکہ قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور انبیاء کسی ایسی بات کے پیچھے نہیں پڑتے جس کا بتانا کسی خاص مصلحت کی بنا پر روک دیا گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر قیامت کا علم متعین تاریخ اور سن کے ساتھ دے دیا جاتا یا کسی کو اس کے موت کے وقت سے آگاہ کر دیا جاتا تو اس طرح یہ دنیا انسان کیلئے دارالامتحان نہ رہ سکتی تھی۔ اگر اسے معین وقت بتا دیا جاتا تو انسان قیامت کے وقوع یا موت کے ڈر سے کچھ بھی عمل نہ کر پاتا۔ لہٰذا ان باتوں کا کسی نبی تک کو نہ بتانا مشیت الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اور لوگوں کو ایسے سوال کے پیچھے ہرگز نہ پڑنا چاہیے بلکہ اس کیلئے کچھ تیاری کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اپنی موت یا قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا نہ بتانا اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اس طرح ہی انسان زیادہ سے زیادہ بہتر عمل کر سکتا ہے۔

❀❀❀

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال: ۱)

''لوگ آپ ﷺ سے اموالِ غنیمت کے بارے سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے کہیے کہ یہ اموالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہیں پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس میں اصلاح کرتے رہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔''

انفال سے مراد کون سے اموال ہیں؟

انفال سے مراد اموال زائدہ یا وہ اموال جو کسی کی محنت کا صلہ نہ ہوں۔ بلکہ اللہ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کیے ہوں۔ مثلاً (۱) اموالِ غنیمت جو اگرچہ مجاہدین کی محنت کا صلہ معلوم ہوتا ہے تاہم اسے اس لیے انفال میں شمار کیا گیا کہ پہلی امتوں پر غنیمت کے اموال حرام تھے۔ ایسے سب اموال ایک میدان میں اکٹھے کر دیے جاتے پھر رات کو آگ آ کر ان کو بھسم کر دیتی تھی۔ مگر اس امت پر یہ اموال حلال کیے گئے ہیں۔ (۲) اموال فے یعنی ایسے اموال جو لڑے بھڑے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ (۳) اموال سلب یعنی وہ مال جو ایک مجاہد مقتول دشمن کے جسم سے اتار لیتا ہے۔ (۴) دیگر اموال جیسے جزیہ صدقات اور عطیات وغیرہ۔ یہ سب انفال کے ضمن میں آتے ہیں۔

امت محمدیہ ﷺ کا دوسری امتوں پر امتیاز:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دوسرے انبیاء پر فضیلت بخشی ہے اسی طرح امت محمدیہ کو بھی دوسری تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۰۹)

تم بہترین امت ہو جو کہ لوگوں کیلئے نکالی گئی۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہیں تھیں۔ ایک ماہ کی مسافت سے میرا دشمن پر رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنادی گئی ہے۔ جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ (۴) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے (۵) پہلے نبی اپنی قوم کیلئے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں سب لوگوں کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ [1]

غزوہ بدر اور مال غنیمت میں جھگڑا:

غزوہ بدر کے اختتام پر یہ صورت پیدا ہوئی کہ جس فریق نے اموال غنیمت جمع کیے تھے وہ ان پر قابض ہو گیا۔ ایک دوسرا فریق جس نے کفار کا تعاقب کیا تھا یہ کہتا تھا کہ ہم بھی ان اموال میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ اگر ہم کفار کا تعاقب نہ کرتے تو وہ مڑ کر حملہ کر سکتے تھے اس طرح فتح شکست میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ ایک تیسرا فریق جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حفاظت کی خاطر حصار بنائے ہوئے تھا وہ کہتا تھا کہ ہم بھی ان اموال میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ کیونکہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت نہ کرتے اور خدانخواستہ آپ کو کوئی گزند پہنچ جاتی تو فتح شکست میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ مگر قابضین ایسی باتیں قبول کرنے کو تیار نہ تھے جس سے ان مجاہدین میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت حال کا حل دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور وحی الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔

مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہے:

جب مسلمان آپس میں ہی ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر اپنا حق جتا رہے تھے تو یہ آیات نازل ہوئیں جس کی ابتدا ہی مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں اور ان کی اصلاح کے

[1] بخاری و مسلم

طریقوں سے کی گئی ہے۔ اموالِ غنیمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دوٹوک فیصلہ دے دیا اور کہا یہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہیں۔ لہٰذا تمہیں اس میں جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا رسول ﷺ ان اموال کے متعلق جو فیصلہ کرے گا وہ تمہیں قبول کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے۔

(۱) حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ بدر والے دن جب میرے بھائی عمیر قتل کیے گئے۔ میں نے سعید بن عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی جسے ذوالکتیعہ کہا جاتا تھا۔ اسے لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اسے باقی مال کے ساتھ رکھ آؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ اس وقت میرے دل پر گزری۔ ایک طرف بھائی کے قتل کا صدمہ دوسری طرف اپنا حاصل کردہ سامان واپس ہونے کا افسوس۔ ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا تو سورہ انفال نازل ہوئی اور رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ وہ تلوار جو تم رکھ آئے تھے لے لو۔ [۱]

(۲) حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میں ایک تلوار لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے مشرکین کو قتل کرنے سے میرا سینہ ٹھنڈا کر دیا یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے اور کہا کہ یہ تلوار آپ ﷺ مجھے ہی دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تلوار میری ہے نہ تیری ہے۔
میں نے دل میں کہا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ یہ تلوار کسی ایسے آدمی کو دے دیں جس نے مجھ جیسی محنت نہ کی ہو۔ پھر میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا قاصد آیا اور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کہا تو نے مجھ سے تلوار مانگی تھی اس وقت وہ میری نہ تھی اب مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں دیتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ [۲]

---

[۱] مسند احمد [۲] مسلم، ترمذی

اموالِ غنیمت کی تقسیم:

اموالِ غنیمت کو اللہ اور اس کے رسول کا حق قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح خالصتاً اللہ کی مدد اور مہربانی سے حاصل ہوئی تھی۔ اب اسی سورہ کی آیت نمبر 41 کی رو سے اموالِ غنیمت میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کیلئے مقرر کیا گیا۔ باقی 4/5 مجاہدین میں برابر تقسیم کا حکم دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاكِیْنِ وَابْنَ السَّبِیْلِ﴾ (الانفال: ٤١)

''اور جان لو کہ جو کچھ بطور غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے، رسول کیلئے اور اس کے قرابت داروں یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔''

اس آیت کے بعد غنیمت کا مال پورے کا پورا ایک جگہ اکٹھا کیا گیا اور اس کا 4/5 حصہ جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر بھیجتے اور غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کرتے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ اور یہ صرف کلام کے شروع کیلئے ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ امام بخاری نے بھی اپنی کتاب جامع البخاری میں اسی عنوان سے باب باندھا ہے۔ اداء الخمس من الایمان یعنی لوٹ کے مال میں سے پانچواں حصہ دینا ایمان میں داخل ہے۔ پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ بہت سے علماء کا قول ہے کہ اللہ اور رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اس کی تائید بیہقی کی صحیح سند والی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ایک صحابی نے وادی القریٰ میں آ کر سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غنیمت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔ باقی کے چار حصے مجاہدین کے۔ اس نے پوچھا کہ کسی کو کسی پر زیادہ حق تو نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں، یہاں تک کہ اگر تو اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو زیادہ مستحق نہیں ہے۔

اللہ کا لفظ تو بطور تبرک نیز اس لیے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ لہٰذا یہاں اللہ اور اس کے رسول سے ایک ہی حصہ مراد ہے۔ یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے۔ جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں سے بھی پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔

بعض علماء کے نزدیک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حصہ سے مراد بیت المال کا وہ حصہ ہے۔ جس کو رسولِ اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلیفۃ المسلمین اپنی صواب دید کے مطابق اپنی اور دوسرے حاجت مند مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کر سکتا ہے۔

اس تقسیم میں جو اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ہے اس کے پانچ مصارف بیان فرمائے۔ تاہم ان حصوں میں کمی بیشی اور تقسیم رسول اکرم ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی اس میں جو اللہ کا حصہ ہے یعنی پانچویں کا پانچواں یہ جہاد کی ضرورتوں اور مساجد کی تعمیر و دیکھ بھال پر خرچ ہوگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ آپ ﷺ کی گھریلو یا خانگی ضروریات کیلئے مقرر ہوا۔ کیونکہ دینی مصروفیات کی وجہ سے آپ ﷺ کوئی دوسرا کام کاج نہ کر سکتے تھے۔ دوسرا حصہ آپ کے رشتہ داروں یعنی بنو ہاشم یا بنو عبد مناف کا تھا۔ اور ان میں جس کو مستحق سمجھتے تھے۔ اور جتنا سمجھتے دے دیتے تھے یہ اس لیے کہ بنو ہاشم نے آڑے وقتوں میں اسلام کی بہت حمایت اور مدد کی تھی اور اس لیے بھی کہ ان لوگوں کیلئے زکوۃ کا مال لینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ تیسرا حصہ یتیموں کیلئے یعنی مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ فوت ہو چکے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہر امیر فقیر یتیم کیلئے ہے۔ چوتھا حصہ مساکین کیلئے ہے۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کفایت کر سکے۔ پانچواں حصہ مسافر کیلئے ہے۔ اور مسافر وہ جو وطن سے اتنا دور ہو کہ قصر نماز اس کیلئے جائز ہو۔ اور اس کے پاس کافی سفر خرچ نہ ہو۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ ختم ہو گیا۔ اور باقی صرف تین مصرف رہ گئے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ

آپ ﷺ کا حصہ موجودہ امیر المومنین کو اور قرابت داروں کا حصہ خاندان نبوت کے محتاجوں کیلئے ہے۔ کیونکہ ان کیلئے زکوۃ ممنوع ہے۔ ہمارے خیال میں معاملہ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حالات میں بہت تغیر رونما ہو چکا ہے اسی لحاظ سے ان مسائل میں شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق تبدیلی ہونا چاہیے۔ مثلاً دور نبوی میں صحابہ رضا کارانہ یا فرض سمجھ کر جہاد پر نکلتے' سواری اور ہتھیاروں کا انتظام خود کرتے تھے جس کے عوض انہیں حصہ ملتا تھا مگر آج فوج کا محکمہ ہی الگ ہوتا ہے۔ اس کی ابتدا دور فاروقی سے ہوگئی تھی۔ یہ فوجی یا مجاہدین تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ اسلحہ اور سواری کا انتظام حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اب عام مسلمانوں پر جہاد فرض نہ رہا اور تنخواہ کی وجہ سے مجاہدین میں ایسی تقسیم کا قصہ بھی ختم ہوا۔ امیر کے حصہ کا بھی کیونکہ وہ خود بھی سرکاری خزانہ کا تنخواہ دار ہوتا ہے۔ اور فقراء و مساکین کی ضرورتوں کو پورا کرنا ویسے ہی ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگوں کا طریق کار بدل چکا ہے۔

بنو ہاشم کیلئے صدقات کی حرمت کے متعلق اجتہاد کی ضرورت:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اموال غنیمت کی تقسیم میں ایسی تبدیلی کی وجہ سے بنو ہاشم کے محتاجوں کی امداد کا مسئلہ ختم ہو گیا۔ اور صدقات بالخصوص زکوۃ ویسے ہی ان کے لیے ممنوع ہے تو بنی ہاشم کے محتاجوں کی امداد کی آج کیا صورت ہے؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ کسی ملک میں اسلامی نظام بھی قائم نہ ہو۔ بعض علماء کے نزدیک صدقات وزکوۃ کی بنو ہاشم کیلئے ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ صدقات وزکوۃ کی تقسیم بحیثیت قائد ملت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ آپ ﷺ نے صدقات اپنے خاندان کیلئے حرام قرار دیئے تھے پھر بھی منافق لوگ آپ پر صدقات کی تقسیم میں الزام لگاتے رہے۔ لہٰذا آج ان صدقات کی ممانعت کا حکم مسلمانوں کے امیر اور اس کے خاندان کیلئے ہوگا۔ اسی طرح جو لوگ آج کل بنو ہاشم کی اولاد یا سید کہلاتے ہیں۔ ان کیلئے صدقات وزکوۃ کی حرمت بھی ختم ہو جانا چاہیے۔ لہٰذا ان مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ دور میں بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی اولاد دنیا کے کس کس ملک میں پائی جاتی ہے۔ اور ان کے محتاجوں کی امداد کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

مالِ غنیمت میں خیانت:

خیانت یا چوری ویسے بھی گناہ ہے۔ جب مال غنیمت میں سے چوری یا خیانت کی جائے تو بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ غنیمت کا مال تمام مسلمانوں کا ہے۔ گویا اس نے سب مسلمانوں کے مال کی حق تلفی کی۔ ارشاد نبوی ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی کو مال غنیمت پر محافظ مقرر کیا گیا۔ جس کا نام کرکرہ تھا۔ وہ جب فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آگ میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا سامان جا کر دیکھا تو اس میں مال غنیمت سے چرائی ہوئی ایک چادر ملی۔ [۱]

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعم نامی ایک غلام بطور تحفہ بھیجا۔ مدعم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک ایک گمنام تیر اس کو لگا جس سے وہ مر گیا لوگوں نے کہا کہ مدعم کو جنت مبارک ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے تقسیم سے قبل جو چادر لی تھی وہ اس پر شعلے مار رہی ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو کوئی ایک تسمے یا دو تسمے لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک یا دو تسمے آگ کے ہیں۔ [۲]

یہ تو چوری کی بات ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تقسیم سے قبل غنیمت کے مال کی خرید و فروخت سے بھی منع کیا ہے۔ [۳]

باہمی تعلقات کی اصلاح:

مال غنیمت کے جھگڑے میں پڑ کر آپس کے تعلقات خراب نہ کرلو۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حکم کو تسلیم کرو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو جس طرح تقسیم کریں اسے قبول کرو۔ تمہیں برضا و رغبت اللہ اور اس کے احکامات کو تسلیم کرنا چاہیے اس میں تمہارے ایمان و ایقان کی تکمیل ہے۔

❁❁❁

[۱] بخاری [۲] متفق علیہ [۳] ترمذی

(۱۱) روح کی حقیقت

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)

''وہ لوگ تم سے روح کے بارے پوچھتے ہیں کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ اور تم اس کا کم ہی علم دیئے گئے ہو۔''

جب نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو وہاں پر آپ ﷺ کا یہود سے واسطہ پڑا۔ یہ لوگ درحقیقت عبرانی تھے لیکن حجاز میں پناہ گزین ہونے کے بعد ان کی وضع قطع، زبان اور تہذیب وغیرہ بالکل عربی رنگ میں رنگی گئی۔ یہاں تک کہ ان کے قبیلوں اور افراد کے نام بھی عربی ہو گئے تھے۔ ان کے اور عربوں کے آپس میں بیاہ شادی کے رشتے بھی قائم ہو گئے لیکن ان سب کے باوجود ان کی نسلی عصبیت برقرار تھی۔ وہ عربوں میں مدغم نہ ہوئے تھے بلکہ اپنی اسرائیلی، یہودی قوم پر فخر کرتے تھے اور عربوں کو نہایت حقیر سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں اُمی کہتے جس کا مطلب انکے نزدیک بدھو، رذیل اور پسماندہ تھا۔ ان یہودیوں میں اپنے دین کی اشاعت کیلئے کوئی سرگرمی نہیں پائی جاتی تھی۔ لے دے کے ان کے پاس جو دین کی جمع پونجی تھی۔ وہ فال گیری، جادو اور جھاڑ پھونک تھا۔ انہیں چیزوں کی بدولت وہ اپنے آپ کو صاحب علم و فضل اور روحانی قائد و پیشوا سمجھتے تھے۔

جب سے یہود کو معلوم ہوا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنی جگہ بنانا چاہتی ہے تب ہی سے انہیں اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہو گئی تھی وہ اس کا مظاہرہ بھی وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے اپنے علم و فضل کا سکہ جمانے اور نبی اکرم کی تحقیر کی خاطر وہ اکثر رسول اللہ ﷺ سے فضول قسم کے سوالات بھی کرتے رہتے تھے۔ یہ بھی اسی طرح کا ایک سوال ہے۔ جس میں انہوں نے روح کے متعلق سوال کیا۔

روح کے مختلف معانی:

روح کا لفظ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) روح بمعنی وہ لطیف جوہر جو ہر جاندار میں موجود ہے۔ جس کی وجہ سے اس جانور کے اعضاء و جوارح حرکت کرتے ہیں جب یہ روح نکل جاتی ہے تو جاندار بے جان ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے جس طرح اس روح کی حقیقت کا علم انسان کو بہت کم دیا گیا ہے۔ اسی طرح روح کے معنی پر احاطہ کرنا بھی انسان کی دسترس سے باہر ہے۔

(۲) روح بمعنی فرشتہ جیسے فرمایا ﴿فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا﴾[۱] ہم نے مریم کی طرف اپنی روح یا فرشتہ بھیجا جو ایک تندرست انسان کی شکل بن گیا۔ روح سے مراد فرشتہ بھی ہوسکتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام بھی۔ مگر جب روح القدس یا روح الامین کا لفظ آئے تو اس سے مراد صرف جبرائیل u ہوں گے۔

(۳) روح بمعنی وہ پیغام جو فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور اس سے مراد وحی بھی ہو سکتا ہے اور سارا قرآن بھی۔ روح کے ساتھ جب مِنَ الۡاَمۡرِ یا من امر کے الفاظ آئیں تو اس سے مراد وحی ہی ہوتی ہے مثلاً ﴿وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا﴾[۲] اس مقام پر روح سے مراد پورا قرآن ہے۔ نیز ایک دوسرے مقام پر فرمایا ﴿یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ﴾[۳] اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا پیغام نازل کرتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی روح سے مراد وحی الٰہی ہی ہے یا وحی لانے والا فرشتہ اور اس فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ السلام کو روح الامین بھی کہا گیا ہے۔

روح سے مراد وحی الٰہی ہے:

اس مقام پر جو روح کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو اس آیت کے سیاق و سباق کے متعلق اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہی ہے اس آیت سے پہلی

[۱] مریم:۱۷ [۲] الشوریٰ:۵۲ [۳] المومن:۱۵

تین آیتوں میں قرآن کے نسخہ شفا ہونے اور منکرین قرآن اور کو ظالم اور خاسر سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ بعد کی آیتوں میں پھر قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یہاں پر روح سے مراد روح نفسانی لیا جانا ممکن نہیں ہے۔ یہود کا دراصل سوال یہ تھا کہ وحی الٰہی کی کیفیت کیا ہے اور حصول قرآن کا اصل ماخذ کیا ہے اور وحی لانے والی کی ماہیت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب انہیں یہ دیا گیا ہے کہ تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ اتنا قلیل ہے کہ ان حقائق کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ یہ خطاب یہود سے مختص نہیں بلکہ اسی کے مخاطب تمام نبی نوع انسان ہیں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر' عالم ہوں یا جاہل' کیونکہ انسان میں جتنی علمی استعداد ودیعت کی گئی ہے وہ روح کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

آیت کا شان نزول:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیت میں جا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اتنے میں چند یہودی سامنے سے گزرے اور آپس میں کہنے لگے اس پیغمبر سے پوچھو کہ روح کیا چیز ہے کسی نے کہا کیوں ایسی کیا ضرورت ہے کسی نے کہا ممکن ہے وہ تمہیں کوئی ایسی بات کہہ دے جو تمہیں ناگوار گزرے' آخر یہی طے ہوا کہ پوچھو تو سہی' چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا' روح کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہے اور انہیں کچھ جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے لگی ہے۔ اور اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ویسئلونک .... قلیلا [1]

ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ یہود یہ کہتے تھے کہ ہمیں بہت علم دیا گیا ہے ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات مل گئی تو اسے بہت بھلائی مل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قل لو کان البحر..... مددا﴾ (الکھف: ۱۰۹) [2]

---

[1] بخاری۔ کتاب التفسیر [2] ترمذی۔ ابواب التفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہودیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی بابت سوال کیا کہ اسے جسم کے ساتھ کیوں عذاب دیا جاتا ہے؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چونکہ اس بارے آپ پر کوئی وحی نہ اتری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ نہ فرمایا۔ اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور یہ آیت اتری۔ یہ سن کر یہودیوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان لائے۔ وہ کہنے لگے وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ اس پر آیت (قل من كان عدواً لجبريل...) نازل ہوئی۔ یعنی جبرئیل کے دشمن کا دشمن اللہ ہے اور ایسا شخص کافر ہے۔

یہاں روح سے مراد جان لینا ممکن نہیں ہے:

بعض علماء نے یہاں روح سے مراد جان لی ہے۔ جو ہر جاندار کے جسم میں ہوتی ہے اور جب تک وہ جسم میں موجود رہے جاندار زندہ ہوتا ہے اور اس کے نکلنے سے مر جاتا ہے اس مراد سے انکار بھی مشکل ہے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنے فلسفے بکھیرے اس روح کی حقیقت کو بھی جاننے سے قاصر ہی رہا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کا دارومدار وحی الٰہی پر ہے اسی طرح جسمانی زندگی کا دارومدار روح پر ہے۔ تاہم ربط مضمون کے لحاظ سے پہلی توجیہ ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی تائید بہت سی دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں موت کے وقت جو فرشتے روح نکالنے آتے ہیں اس کیلئے قرآن نے روح کی بجائے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے جیسے فرمایا (اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمْ) (الانعام:93) اور بعض یہ کہتے ہیں کہ روح پر لفظ نفس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ بدن میں موجود ہو۔ اور جب نکل جائے تو اسے روح کہتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب.

ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل تو مکی ہے جبکہ یہود مدینہ میں رہتے تھے انہوں نے یہ سوال کہاں اور کب کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مکی سورتوں میں متعدد آیات مدنی بھی موجود ہیں جنہیں مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے مکی سورتوں میں مناسب

مقام پر رکھ دیا گیا ہے۔ ہر سورت کے درمیان آیات کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ یعنی یہ ترتیب بھی وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ بعض کتب سیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال دراصل قریش مکہ نے یہود کے کہنے پر کیا تھا۔ مگر بخاری کی روایت کے واضح الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ وہی توجیہ درست ہے جو پہلے ذکر کی گئی ہے۔

روح کی اقسام:

علماء روح کو دو درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جیسے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں روح حیوانی اور روح نفسانی کا نام دیا ہے۔ اور علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نفس زیریں اور نفس بالا کے الفاظ استعمال کیے ہیں روح کی دو قسموں میں سے ایک روح حیوانی ہے جس کا تعلق گردش خون سے ہے جب تک گردش خون برقرار ہے یہ روح بھی موجود ہوگی۔ گردش رک جائے تو روح ختم ہو جاتی یا نکل جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جب تک یہ روح موجود ہو گردش خون برقرار رہتی ہے۔ اگر یہ روح نکل جائے تو گردش خون ختم ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم روح نفسانی ہے۔ جسے روح انسانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ روح کی یہ وہ قسم ہے جو دوران خواب سیر کرتی پھرتی ہے۔ روح کی یہ قسم یا روح کا یہ حصہ جب انسان کے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو انسان کے حواس خمسہ کی کارکردگی میں نمایاں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نیند کے دوران قوت باصرہ لامسہ اور ذائقہ کی کارکردگی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر غل غپاڑہ ہو یا کوئی دوسرا آدمی سوئے ہوئے آدمی کو جگا دے تو یہ روح نفسانی دوبارہ جسم میں لوٹ آتی ہے۔ اسی طرح تیز قسم کی خوشبو یا بدبو بھی بسا اوقات انسان کے جاگنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان دونوں قسم کی روحوں کا آپس میں نہایت گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک ہی اکائی کے دو جز ہیں۔ روح نفسانی اگر خواب میں کسی بات یا کسی چیز سے لطف اندوز ہوتی ہے تو انسان جب جاگتا ہے تو ہشاش بشاش ہوتا ہے اگر روح نفسانی کو خواب میں کوئی ناگوار حادثہ پیش آ جائے تو بعض دفعہ انسان سوتے میں ہی چیخنے چلانے لگتا ہے اور جاگتا ہے تو سخت پریشان ہوتا ہے۔ اگر خواب میں کہیں مار پڑے تو

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مار پٹائی کے اثرات اور نشانات بھی بعض دفعہ انسان کے جسم پر نمودار ہو جاتے ہیں جنہیں انسان جاگنے کے بعد خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔

ان ہر دو اقسام کی روحوں کے باہمی تعلق کے بارے میں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ ایک قسم کی روح کے خاتمہ سے دوسری خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص سویا ہوا کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ کسی دوسرے شخص نے اسے سوتے میں قتل کر دیا تو روح نفسانی خواہ کہیں بھی سیر کرتی ہوگی یہ اب دوبارہ جسم میں داخل نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر دوران خواب اگر روح نفسانی کو اللہ تعالیٰ قبض کر لیں تو روح حیوانی کی کارگزاری یعنی دوران خون خود بخود ختم ہو جائے گا اور انسان پر موت واقع ہو جائے گی۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الزمر:٤٢)

''اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری روحوں کو ایک مقرر وقت تک کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔''

آیت مذکورہ سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

(۱) یہ آیت اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ روح کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو ہر دم انسان کے بدن میں موجود رہتی ہے اور دوسری وہ جو خواب میں جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔

(۲) جاگتے میں یہ دونوں قسم کی روحیں یا روح کے ہر دو جز انسان میں موجود رہتے ہیں۔

(۳) روح کو قبض کرنا یا موت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے۔ اگر وہ خواب کے دوران روح نفسانی کو قبض کرے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۴) بیداری کی حالت پوری زندگی اور خواب کی حالت نیم زندگی کی کیفیت ہے جس میں کچھ صفات زندگی کی پائی جاتی ہیں اور کچھ موت کی گویا یہ کیفیت موت وحیات کے

درمیان برزخی حالت کی مظہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کے درمیان قبر کی زندگی برزخی زندگی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قبر کی زندگی میں موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں اور خواب کی زندگی میں زندگی کے' خواب کے دوران چونکہ کچھ خصوصیات موت کی بھی پائی جاتی ہیں اسی لیے حضور ﷺ نے اسے موت سے تشبیہ دی ہے۔

مرنے کے بعد سے لے کر قیامت کے دن تک مومنوں کی ارواح علیین میں اور کافروں کی ارواح سجین میں مقید ہوتی ہیں ان کو کوئی نیا جسم نہیں عطا کیا جاتا' قیامت کے دن جو جسم عطا کیا جائے گا وہ وہی ہوگا جو اس دنیا میں تھا۔ شہداء کی زندگی کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہیں مردہ مت کہو' وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے باغیچوں میں چہچہاتی پھرتی ہیں۔

روح کا سفر:

روح کا سفر اس طرح ہے کہ انسان جب بطنِ مادر میں لوتھڑا کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس میں روح داخل کی جاتی ہے۔ پھر وہ بطنِ مادر سے باہر آتا ہے۔ اب یہ بچہ کہلاتا ہے پھر جوان ہوتا ہے۔ پھر بوڑھا ہوتا ہے۔ پھر اس پر موت آتی ہے یعنی قبر کی زندگی یا برزخی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد قیامت کے دن ارواح کو اجسام مہیا کیے جائیں گے۔ اور یہ بھی پوری زندگی ہوگی۔ وحی الٰہی اس سلسلہ میں روح کی منازل یوں بیان فرماتی ہے:

﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (البقرہ:۲۸)

''تم اللہ سے کیسے کفر کرتے ہو' تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہی تمہیں مارتا ہے' پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا' پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

بدروحیں:

بدارواح سے مراد وہ روحیں ہیں جو وحی الٰہی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتیں۔ خواہ یہ

روحیں انسانوں سے تعلق رکھتی ہوں جو سجین میں مقید ہیں یا ابھی اسی دنیا میں ہیں۔ یا شیطانی روحیں یا جنوں کی روحیں جو اسی دنیا میں موجود ہیں۔ انسانوں کو گمراہ بھی کرتی ہیں اور تکلیف بھی پہنچاتی ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا﴾ (الجن:٦)

''اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے۔ اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔''

اور رسول اکرم ﷺ نے بدروحوں کے شر سے بچنے کے لیے مسلمانوں کو بیت الخلاء میں جانے سے پیشتر یہ دعا سکھائی ہے:

(اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ)

''اے اللہ میں بدروحوں سے خواہ وہ نر ہوں یا مادہ تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

❁❁❁

(۱۲) ذوالقرنین کون تھا؟

﴿وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاتْلُوا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ○ اِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ○ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ○ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ○ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ○ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ○ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَمِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ○ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ○ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ○ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِيْ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ○ فَمَا اسْطَاعُوْآ اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ○﴾ (کہف:۸۳ تا ۹۷)

''وہ آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ کہیے کہ ابھی تمہیں اس کا حال سناؤں گا○ بلاشبہ ہم نے اسے زمین میں اقتدار بخشا اور ہر

طرح کا ساز و سامان بھی دے رکھا تھاo چنانچہ وہ ایک راہ (مہم) پر چل کھڑا ہوا o حتیٰ کہ وہ سورج غروب ہونے کی حد تک پہنچ گیا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے سورج سیاہ کیچڑ والے چشمہ میں ڈوب رہا ہے وہاں اس نے ایک قوم دیکھی۔ ہم نے کہا! اے ذوالقرنین! تجھے اختیار ہے خواہ ان کو تو سزا دے۔ یا ان سے نیک رویہ اختیار کرےo (ذوالقرنین نے کہا) جو شخص ظلم کرے گا اسے تو ہم بھی سزا دیں گے پھر جب اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اور بھی سخت عذاب دے گاo البتہ جو ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے اسے اچھا بدلہ ملے گا۔ اسے ہم اپنے آسان سے کام کرنے کو کہیں گےo پھر وہ ایک اور راہ پر چل کھڑا ہواo حتیٰ کہ وہ سورج نکلنے کی جگہ تک پہنچا۔ اسے ایک ایسی قوم پر نکلتا پایا کہ ان کے لئے ہم نے اس سے کوئی آڑ نہیں بنائیo واقعہ ایسا ہی تھا۔ ہم نے اس کے آس پاس کی کل خبروں کا احاطہ کر رکھا ہےo وہ پھر ایک اور سفر پر چلاo حتیٰ کہ وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا وہاں ان کے پاس اس نے ایسی قوم دیکھی جو بات بھی نہ سمجھ سکتی تھیo وہ کہنے لگے اے ذوالقرنین! یاجوج ماجوج نے اس سرزمین میں فساد مچا رکھا ہے اگر ہم آپ کو کچھ چندہ اکٹھا کر دیں تو کیا آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار چن دیں گےo (ذوالقرنین نے) کہا میرے رب نے جو مجھے (مال) قوت دے رکھی ہے وہ بہت ہے تم بس بدنی قوت سے میری مدد کرو تو میں ان کے اور تمہارے درمیان بند بنا دوں گاo مجھے لوہے کی چادریں لا دو۔ یہاں تک کہ جب اس نے ان چادروں کو دونوں گھاٹیوں کے درمیان برابر کر کے خلا کو پاٹ دیا تو ان سے کہا کہ اب آگ دہکاؤ تا آنکہ جب وہ لوہے کی چادریں آگ (کی طرح سرخ) ہوگئیں تو اس نے کہا اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ میں ان چادروں کے درمیان بہا کر پیوست کر دوںo یاجوج ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے (ذوالقرنین نے) کہا یہ میرے رب کی رحمت سے بن گیا ہے۔ جب میرے رب

کے وعدہ کا وقت آجائے گا تو وہ اس بند کو پیوند خاک کردے گا۔ میرے رب کا وعدہ برحق ہےo)

شان نزول:

جب قریش مکہ نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ دین سے روکنے کی کوئی حکمت کارگر نہیں ہو رہی تو انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو ناکام بنانے کیلئے مختلف طریقے اختیار کیے۔ اس میں آپ ﷺ کی تحقیر کرنا آپ ﷺ کی ذات کو اعتراضات کا نشانہ بنانا کہ عوام کو آپ ﷺ کی دعوت پر غور کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ جب آپ ﷺ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوتے تو شوروغل کرتے کہ کسی کے کانوں میں یہ آواز ہی نہ پڑے۔ جب ان کی کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور آپ ﷺ ان کی شرارتوں کے باوجود خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے تو انہوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو علمائے یہود کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ تم خود کو اہل کتاب کہتے ہو۔ تمہارا دعوی ہے کہ تمہارے پاس سابق انبیاء کا علم ہے جو ہمارے پاس نہیں۔ تم ہمیں بتاؤ کہ محمد ﷺ کے دعوی نبوت کی صداقت کے متعلق اسلامی کتابوں میں کوئی تذکرہ یا علامات موجود ہیں کہ نہیں۔ علمائے یہود نے انہیں کہا کہ ہم تمہیں تین سوالات بتائے دیتے ہیں۔ اگر محمد ﷺ نے ان کا جواب دے دیا تو سمجھ لو کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ ان کی اتباع تم پر لازم ہے۔ اگر جواب نہ دے سکیں تو پھر وہ جھوٹے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرو چنانچہ وہ تین سوالات یہ تھے (۱) ان چند نوجوانوں پر کیا گزری جو کافر بادشاہ کے خوف سے پہاڑ کی غار میں جا چھپے تھے (۲) روح کیا چیز ہے؟ (۳) ذوالقرنین کون تھا؟ ان کے کہنے پر کفار مکہ نے آپ ﷺ سے یہ تینوں سوالات کیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ الکہف کی صورت میں ان سوالات کے جواب نازل ہوئے۔

ذوالقرنین کون تھا؟

قریش کا تیسرا سوال ذوالقرنین سے متعلق تھا۔ جس کا ان آیات میں جواب دیا جا رہا

ہے۔ ذوالقرنین کی شخصیت کی تعین کیلئے یہ بات تو بہر حال یقینی ہے کہ یہود کو اس کے متعلق علم تھا۔ اور اس بادشاہ کا ذکر ان کی کتابوں میں موجود تھا۔ تبھی تو انہوں نے قریش مکہ کو یہ سوال بتایا تھا۔ جو کچھ قرآن سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک مقتدر اور نامور بادشاہ تھا۔ اللہ سے ڈرنے والا اور منصف مزاج تھا۔ اس کی سلطنت خاصی وسیع تھی۔ عام بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ ذوالقرنین کے لغوی معنی ''دوسینگوں والا'' ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ فی الواقع اس کے سر پر دوسینگ تھے بلکہ اسے اس لحاظ سے ذوالقرنین کہا جاتا ہے کہ اس کی سلطنت کا علاقہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک مینڈھے کے سر پر دوسینگ ہوں۔ آیت نمبر 86 میں الفاظ (قلنا یذا القرنین) سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ نبی بھی تھا۔ لیکن اکثریت اس کی نبوت کی قائل نہیں ہے کیونکہ صرف یہ الفاظ اثبات نبوت کیلئے کافی نہیں ہیں اس کی تائید میں قرآن سے کافی شواہد مل جاتے ہیں۔ مثلاً سیدہ مریم نبیہ نہیں تھیں تاہم فرشتہ ان کے پاس آیا اور ہم کلام ہوا۔ ام موسیٰ بھی نبیہ نہیں تھیں مگر ان کی طرف وحی ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ اسی طرح سیدنا لقمان کا معاملہ ہے۔ اس وحی سے وہ وحی مراد نہیں ہے جو انبیاء پر بذریعہ فرشتہ نازل کی جاتی رہی ہے۔ یہاں وحی کے لغوی معنی بذریعہ اشارہ ذہن میں ڈالنا کے ہیں۔

قرآن و حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ ذوالقرنین کا اصل نام کیا تھا وہ کس علاقہ کا بادشاہ تھا؟ کس قوم سے تعلق رکھتا تھا اور کس دور میں یہ بادشاہ گزرا ہے؟ مغربی جانب اس نے کہاں تک اور کون کون سے ممالک فتح کیے؟ مشرقی سمت میں کہاں تک پہنچا؟ اس کا تیسرا سفر کون سی جانب تھا' سد ذوالقرنین کون سی جگہ واقع ہے؟ لہٰذا ان سب امور میں بہت اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایسی مؤرخانہ تحقیق کا کتاب وسنت میں مذکور نہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن کسی تاریخی واقعہ کو ذکر کرنے کے باوجود بھی ایسے امور کو زیر بحث نہیں لاتا جن کا انسانی ہدایت سے کچھ تعلق نہ ہو یا اس پر کسی شرعی حکم کی بنیاد نہ اٹھتی ہو۔ یہ ذوالقرنین کا واقعہ یہود کی الہامی کتاب تورات میں مذکور نہیں بلکہ تورات کی شروح و تفاسیر' جنہیں وہ اپنی اصطلاح میں تالمود کہتے ہیں' میں مذکور ہے' جیسے ہمارے مفسرین نے بھی اپنی تفسیروں میں

کئی ایسے واقعات درج کیے ہیں جن کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال یہ بات تو مسلّم ہے کہ ذوالقرنین کوئی ایسا بادشاہ تھا جس کی تعیین علمائے یہود کے دماغوں میں موجود تھی۔ اسی کے متعلق انہوں نے سوال کیا تھا اور اسی شخصیت کے متعلق قرآن نے جواب دے دیا اور جتنا جواب انہیں درکار تھا اتنا جواب انہیں قرآن نے دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے اور ان کے اطمینان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کے اس جواب کے بعد یہود کے کہنے پر کفار مکہ نے ذوالقرنین کے بارے میں کوئی مزید سوال نہیں کیا۔

تاہم ہمارے مفسرین نے مندرجہ بالا تاریخی سوالات کا حتی الامکان جواب دینے کی مقدور بھر کوشش کی ہے چنانچہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے بائبل کے مطالعہ کے بعد جو تحقیق پیش کی ہے وہ یہ کہ ذوالقرنین کا اطلاق ایرانی فرماں رواخورس پر ہی ہو سکتا ہے جس کا عروج 549 ق م کے قریب شروع ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصہ میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد 539 ق م میں بابل کو فتح کر لیا تھا جس کے بعد کوئی طاقت اس کے مزاحم نہ رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور ترکستان سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہو گیا تھا۔ شمال میں اس کی سلطنت کا کیشیا (قفقاز) اور خوارزم تک پھیل گئی تھی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔

صاحب تفسیر حقانی کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالقرنین ایران کا نہیں بلکہ عرب کے کسی علاقہ کا بادشاہ ہو سکتا ہے اور یمن کے حمیری خاندان کا بادشاہ تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ذوالقرنین عربی لفظ ہے۔ فارسی یا ایرانی نہیں' علاوہ ازیں یمن کے بادشاہ زمانہ قدیم میں ذُو کے ساتھ ملقب ہوا کرتے تھے جیسے ذونواس' ذوالنون' ذورعین اور ذویزن وغیرہ ایسے ہی ذوالقرنین بھی تھے۔ ابوریحان البیرونی اس کا نام ابوکرب صعب بن عیر بن افریقس حمیری بتاتے ہیں۔ یہ تبع اول کا بیٹا تھا۔ یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ' اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس اسکے بعد اس کا بھائی ذوالاعار اس کے بعد اس کا بھائی شرجیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہدہاد اور اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی۔

ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ:

قرن عربی زبان میں سینگ کو کہتے ہیں اور زمانہ یا دور کو بھی' اس کا ایک مفہوم تو پہلے بیان ہوا کہ اس کے مفتوحہ علاقوں یا سلطنت کا اگر کاغذ پر نقشہ بنایا جائے تو اس کی شکل ایک مینڈھے کی سی بنتی ہے جس کے سر پر دو سینگ ہوں اس کی دوسری توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ذوالقرنین کے تاج میں دو کلغیاں ہوتی تھیں جبکہ عام بادشاہوں کے تاج میں ایک کلغی ہوتی تھی۔ یہ دو کلغیاں بھی اس کی سلطنت کی وسعت کے اظہار کیلئے بنائی گئی تھی۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ذوالقرنین کو دو دور نصیب ہوئے تھے۔ ایک دور فتوحات کا اور دوسرا دوران مفتوح علاقوں میں انتظام اور حکمرانی کرنے کا اور یہ بات بھی ہر بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ سکندر رومی فیلقوس کے بیٹے نے فتوحات تو بہت کیں۔ حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی پہنچ کر بہت سے علاقے فتح کیے۔ مگر اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے یکسر انکار کر دیا اور وطن واپس چلنے پر اصرار کیا۔ سکندر اپنی فوج کے سامنے مجبور ہو گیا اور واپسی پر اپنے وطن پہنچنے سے قبل ہی 33 سال کی عمر میں بابل کے مقام پر راہی ملک عدم ہوا۔

ذوالقرنین کے تین سفر:

قرآن نے ذوالقرنین کے ذکر میں یہ بیان فرمایا کہ اس نے اپنی عمر میں تین تاریخی مہم سر کی ہیں۔ پہلا سفر اس نے اپنی سلطنت ایشیائے کوچک کی آخری مغربی حد تک کیا۔ جس سے آگے سمندر ہے۔ جہاں بحر ایجین چھوٹی چھوٹی خلیجوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جہاں پہنچ کر ذوالقرنین کو یوں معلوم ہوا جیسے سورج سیاہی مائل گندے پانی میں ڈوب رہا ہے وہاں جس قوم سے ذوالقرنین کو سابقہ پڑا وہ جاہل اور کافر قسم کے لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو یہ اختیار دیا کہ چاہے تو انہیں قتل کر دے یا کوئی سخت رویہ اختیار کرے یا اللہ کے فرمانبردار بن جانے کی دعوت دے اور ان سے نرم برتاؤ کرے۔

ذوالقرنین کا مغربی قوم سے سلوک:

چنانچہ ذوالقرنین نے دوسری راہ اختیار کی۔ کہ اس قوم کو پوری طرح سمجھایا جائے اور

انہیں اسلام کی دعوت دی جائے۔ یہ فیصلہ کیا کہ اس کے نتیجہ میں جو لوگ اکڑ جائیں گے اور ظالموں کی روش اختیار کریں گے۔ ہم صرف انہیں ہی سزا دیں گے اور انہی سے سختی کا برتاؤ کریں گے۔ پھر موت کے بعد جب ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا تو وہ اسے سخت عذاب بھی دے گا۔ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں گے اور اپنا طرز زندگی بدل کر نیک کام کرنے لگیں گے۔ ان کو اللہ کے ہاں اچھا اجر ملے گا۔ ہم بھی ان سے نرمی کا برتاؤ کریں گے جیسا کہ ہر عادل بادشاہ کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ غلبہ پانے کے بعد بدکردار لوگوں سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں بھلے لوگوں سے مہربانی کا سلوک کرتے ہیں۔

دوسرا سفر مشرق کی جانب تھا:

ذوالقرنین کا دوسرا سفر مشرق کی طرف تھا۔ وہ علاقے فتح کرتا ہوا بالآخر وہاں تک پہنچ گیا جہاں مہذب دنیا ختم ہو جاتی تھی۔ وہاں اسے غیر مہذب اور اجڈ قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا جو اپنا گھر بنانا بھی نہ جانتے تھے۔ سورج کی گرمی یا بارش سے بچنے کیلئے ان کے پاس نہ خیمے کے ہلکے پھلکے گھر تھے اور نہ ہی مکان، وہ پہاڑوں کی غاروں اور کھوہوں میں اپنا گزر اوقات کیا کرتے تھے یا پھر وہ آفتاب کی تپش اور بارش وغیرہ کو برداشت کرنے کے عادی بن چکے تھے۔ ذوالقرنین نے ان سے بھی ویسا ہی حسن سلوک کیا جیسا مغربی قوم سے کیا تھا۔ انہیں اسلام کی دعوت اور تعلیم دی۔ جن لوگوں نے سرکشی اختیار کی ان کے ساتھ سختی کی گئی اور جنہوں نے فرمانبرداری کی راہ اختیار کی ان سے نرمی کا سلوک کیا گیا۔

شمال کی طرف تیسرا سفر:

ذوالقرنین کے تیسرے سفر کی سمت کا قرآن میں ذکر نہیں ہے تاہم قیاس یہی ہے کہ یہ شمالی جانب تھا اور اس طرف وہ قفقاز (کاکیشیا) کے پہاڑی علاقہ تک چلا گیا۔ ذوالقرنین اور اس کے ساتھی ان لوگوں کی زبان نہیں سمجھتے تھے ایسی صورت میں کسی ترجمان کی وساطت سے بات چیت ہوئی ہوگی یا بعض اوقات اشاروں سے بھی مطلب سمجھایا جا سکتا ہے۔

یاجوج ماجوج کون ہیں؟

مسلم مؤرخین کے بیان کے مطابق یاجوج ماجوج سے مراد وہ انتہائی شمال مشرقی علاقہ کی وحشی اقوام ہیں۔ جو انہی دروں کے راستے سے یورپ اور ایشیا کی مہذب اقوام پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ انہیں مورخین سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۝﴾ (الانبیاء:۹۶)

''یہاں تک کہ یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نیچے کو دوڑتے آئیں گے۔''

یہ وحشی قوم ایک مضبوط اور پختہ دیوار کے پیچھے بند ہے۔ جس دن یہ قوم کھول دی جائے گی تو گویا قیامت برپا ہو جائے گی۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بن اسید غفاری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آپس میں قیامت کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالترتیب ان سب کا ذکر کیا۔ دھواں' دجال کا خروج' دابۃ الارض کا ظاہر ہونا' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول' یاجوج ماجوج کی یورش' تین مقامات مشرق' مغرب اور جزیرہ عرب میں زمین کا دھنس جانا اور نو نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور انہیں ان کے اجتماع کے مقام (شام) کی طرف لے جائے گی۔[1]

یہ یاجوج ماجوج چوڑے چہروں والے' چھوٹی آنکھوں اور سرخی مائل سیاہ بالوں والے ہر بلندی سے دوڑتے آئیں گے۔ ان کے چہرے چمڑہ بھری ڈھال جیسے موٹے ہوں گے۔[2]

---

[1] مسلم۔ کتاب الفتن [2] احمد۔ طبرانی

سدّ ذوالقرنین:

ان لوگوں نے ذوالقرنین کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر یہ التجا کی کہ ہمیں یاجوج ماجوج حملہ کر کے ہر وقت پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو ان دو گھاٹیوں کے درمیان جو درے ہیں انہیں پاٹ دیجیے اور اس سلسلہ میں جو لاگت آئے گی وہ ہم دینے کو تیار ہیں یا اس کے عوض ہم پر کوئی ٹیکس لگا دیجیے وہ ہم ادا کرتے رہیں گے۔ ذوالقرنین نے ان کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ موجود ہے البتہ افرادی قوت تم مہیا کرو تو میں ایسی دیوار بنوا دوں گا۔ علاوہ ازیں مجھے کچھ لوہے کی چادریں اور دوسرا سامان تعمیر مہیا کرنا بھی تمہاری ذمہ داری ہوگی۔

پہلے لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائی گئیں۔ جب ان کی بلندی دونوں طرف کی گھاٹیوں تک پہنچ گئی تو لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے چاروں طرف خوب آگ دہکاؤ اور اس کام کیلئے لکڑی اور کوئلہ استعمال کیا گیا۔ جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو گیا تو اوپر سے پگھلا ہوا تانبہ ڈالا گیا۔ جو لوہے کی چادروں کی درزوں میں جم کر پیوست ہو گیا۔ یہ سب کچھ مل کر پہاڑ سا بن گیا۔ بظاہر ایسی دیوار کی تعمیر ایک خرق عادت واقعہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ہم اہرام مصر اور ان کے دور تعمیر کی طرف نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے آلاتِ تعمیر پائے جاتے تھے جن کا آج تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

بعض روایات کے مطابق یہ دیوار پچاس میل لمبی 29 فٹ اونچی اور 10 فٹ چوڑی تھی۔ اس دیوار کا فائدہ تو جبھی ہو سکتا تھا کہ اسکی بلندی بھی کم از کم دونوں اطراف کی بلندی کے برابر ہو۔ اتنی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر چڑھا بھی نہیں جا سکتا تھا اور لوہے کی موٹی تعمیر شدہ دیوار ہونے کی وجہ سے اس میں شگاف بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جب یہ دیوار تعمیر ہو گئی تو ذوالقرنین نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ جس نے یہ دیوار بنانے اور لوگوں کو آئے دن کی پریشانیوں سے نجات دلانے کی توفیق بخشی۔ ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ دیوار اگرچہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے مگر یہ لازوال نہیں۔ جو چیز بھی بنی ہے آخر فنا ہونے والی ہے۔ جب تک اللہ کو منظور ہوا قائم رہے گی۔ اور وعدے کے وقت سے مراد یا تو

اس دیوار کی تباہی کا وقت ہے یا اس سے مراد قیامت ہے۔ جب کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یاجوج ماجوج ہر روز دیوار کھودتے ہیں۔ جب وہ اتنی کھود لیتے ہیں کہ سورج کی شعاع نظر آ جائے تو ان کا بادشاہ کہتا ہے کہ اب واپس چلو باقی کل کھودیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس دیوار کو دوبارہ اصلی حالت میں لوٹا دیتے ہیں۔ جب ان کی قید کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں پر ظاہر کرنا چاہیں گے تو وہ دیوار کھودیں گے حتی کہ انہیں سورج کی شعاعیں نظر آنے لگیں گی۔ تو ان کا بادشاہ ان سے کہے گا۔ اب چلو باقی انشاء اللہ کل کھودیں گے۔ جب انشاء اللہ کہیں گے تب وہ اگلے روز پلٹیں گے تو دیوار کو اسی حالت میں پائیں گے جس پر اسے کل رات چھوڑا تھا۔ پھر کھدائی شروع کر دیں گے اور باہر نکل آئیں گے۔ پانی ختم کر ڈالیں گے لوگ اپنے اپنے قلعوں میں پناہ لے لیں گے (قلعوں سے باہر کوئی نہ بچے گا) پھر وہ اپنے نیزے آسمان کی طرف پھینکیں گے جو خون آلود ہو کر زمین میں گریں گے۔ اور یاجوج ماجوج کہیں گے۔ ہم نے زمین والوں کو مغلوب کر دیا اور آسمان والوں پر بھی غالب آ گئے تب اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں کیڑے پیدا فرما دے گا جس سے وہ سب مر جائیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے زمین کے جاندار اور مویشی ان کی لاشوں کا گوشت اور چربی کھا کھا کر خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔ (ابن ماجہ)

جب یہ دیوار ٹوٹے گی تو یاجوج ماجوج یوں حملہ آور ہوں گے جیسے کوئی شکاری جانور قفس سے آزاد ہو کر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ یہ لوگ اپنی کثرت اور ازدحام کی وجہ سے ہر بلندی و پستی میں چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو انہی کا ہجوم نظر آئے گا ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ یوں معلوم ہو گا کہ ان کی افواج پہاڑوں اور ٹیلوں سے پھسلتی اور لڑھکتی چلی آ رہی ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ یاجوج ماجوج دونوں قومیں آپس میں متحد ہو کر ایسی شورش بپا کریں۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ دونوں قومیں آپس میں ہی بھڑ جائیں پھر ان کی لڑائی ایک عالمگیر فساد کا موجب بن جائے یاجوج ماجوج کی یورش کے بعد جلد ہی قیامت بپا ہو جائے گی۔ قیامت

کے واقع ہونے سے پہلے سب نیک لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جو اللہ کی مخلوق سے بدترین ہوں گے۔[1]

زمین پر ایک بالشت بھر جگہ یاجوج ماجوج کی لاشوں سے خالی نہ ہوگی۔ جن سے بدبو اور سڑانڈ اٹھ رہی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہو چکا ہوگا۔ وہ اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یہ مصیبت کسی طرح ختم ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا جن کی گردنیں بڑے بڑے اونٹوں کے برابر ہوں گی۔ وہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھا کر لے جائیں گے۔ جہاں اللہ کا حکم ہوگا وہاں جا پھینکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش برسائے گا اور زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گی۔

کفار مکہ کے پوچھنے پر اللہ تعالیٰ نے یہ سارا ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا۔ اس میں صرف ان کے سوال کا جواب ہی نہیں بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک بہت بڑا فاتح اور شان و شوکت والا بادشاہ ہونے کے باوجود توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ عدل و انصاف کے علاوہ فیاضی سے کام لیتا تھا۔ نرمی کا برتاؤ کرتا تھا۔ تمہاری طرح کم ظرف نہ تھا کہ معمولی سرداریاں پا کر تم غرور تکبر میں مبتلا ہو اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہو۔

۞۞۞

[1] مسلم۔ کتاب الامارۃ

(۱۴) پہاڑوں کی کیفیت

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّىْ نَسْفًا ٥ فَيَذَرُهَا قَاعاً صَفْصَفًا ٥ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا٥﴾ (طٰه: ۱۰۵ تا ۱۰۷)

''لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے! کہ میرا رب انہیں دھواں بنا کر اڑا دے گا۔ زمین کو ایسا صاف میدان بنا دے گا کہ اس میں آپ کوئی نشیب و فراز نہ دیکھیں گے۔''

کائنات کا نظام اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم اور منشا ہو۔ آخر وہ گھڑی آ جائے گی جب اللہ تعالیٰ اس نظام کائنات کو لپیٹ کر جن وانس کا حساب کتاب کریں گے۔ ایک زوردار دھماکہ ہوگا جسے قیامت کہتے ہیں۔ ستارے بے نور ہو کر ٹوٹ جائیں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑیں گے۔ سمندر اور ساری خشک زمین ہموار ہو جائے گی۔ اس قیامت کی کڑک اور ہیبت ناکی کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ٥ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ٥﴾ (الحج : ۲،۱)

''لوگو اپنے رب سے ڈرتے رہو بلا شبہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی۔ ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔''

پہلی آیات کے سیاق وسباق کو اگر ذہن میں رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے رکوع میں یوم حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کفار مکہ چونکہ اکثر اوقات آپ کو ہنسی مذاق اور فضول اعتراضات سے تنگ کرتے رہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ سورت ایک الہامی تقریر کے انداز میں سنائی جارہی ہوگی تو کسی منچلے نے یہ سوال اٹھایا ہوگا کہ قیامت کا جو نقشہ آپ کھینچ رہے ہیں اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے لوگ کسی ہموار میدان میں بھاگے چلے جارہے ہوں گے۔ آخر یہ بڑے بڑے پہاڑ اس وقت کہاں جائیں گے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مکہ کی حالت ایک حوض کی سی ہے۔ اور اس کے اردگرد بلند وبالا پہاڑ ہیں سوال کرنے والوں کا مدعا یقیناً یہی ہوگا کہ یہ پہاڑ اس وقت کہاں جائیں گے؟

علم ہیئت کے موجودہ نظریہ کے مطابق ہماری زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ سورج سے زمین کا فاصلہ 9 کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ زمین سورج کے گرد جتنے عرصہ میں ایک چکر ختم کرتی ہے۔ اسے ہم سال کا عرصہ کہتے ہیں اس حساب سے ہماری زمین سورج کے گرد چھیاسٹھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ اس فضائے بسیط میں صرف ہماری زمین ہی محو گردش نہیں بلکہ تمام سیارے اس طرح گردش میں مصروف ہیں ان سب کے مدار الگ الگ ہیں ان سیاروں میں کشش جذب وانجذاب رکھ دی گئی ہے جن کی وجہ سے ان میں ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے کنٹرول اور اس کی تدبیر کے تحت ہورہے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو صرف اتنا ہوگا کہ کسی ایک سیارے سے کشش جذب وانجذاب سلب کرے گا اور ہماری زمین کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوجائے گی۔ اس منظر کی ہولناکی کو قرآن میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ قیامت کا دن دراصل ایک طویل دور کا نام ہے اور از روئے قرآن اس دن کی مدت ہمارے موجودہ حساب کے مطابق پچاس ہزار سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس کو اچھا لگے کہ قیامت کے دن کو

گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو وہ سورت التکویر الانفطار اور الانشقاق پڑھے۔[1]

قیامت والے دن دو دفعہ صور پھونکا جائے گا پہلی دفعہ صور پھونکنے پر ساری مخلوق مر جائے گی دوسری دفعہ سب حساب کتاب کیلئے زندہ ہو جائیں گے۔ یہ صور حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ صور اوّل کے وقت موجودہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد صور ثانی تک کیا کیا تغیرات واقع ہوں گے اور یہ درمیانی عرصہ کتنا ہو گا یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ نفخہ صور ثانی پر ایک نیا نظام کائنات وجود میں لایا جائے گا۔ جس میں موجودہ زمین و آسمان کی کیفیت ہی بدل جائے گی اس میں بہت سے تغیر و تبدل ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراھیم: ۴۸)

''اس دن یہ زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے اور لوگ اکیلے اور زبردست اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔''

قرآن کی بعض آیات سے زمین میں تبدیلی کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ کہ زمین میں اس دن کوئی بلندی یا پستی نہیں رہے گی۔ سب پہاڑ زمین بوس کر دیئے جائیں گے۔ سب کھڈے بھر دیئے جائیں گے۔ اس طرح سطح زمین ہموار اور پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ سب سے اہم تبدیلی یہ ہو گی کہ سمندروں' دریاؤں اور ندی نالوں کو خشک کر دیا جائے گا۔ سمندر کی سطح کا رقبہ خشکی کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اس طرح موجودہ زمین سے اس وقت کی تبدیل شدہ زمین کم از کم چار گنا بڑھ جائے گی۔ اس کے علاوہ ساری زمین بالکل ہموار ہو گی۔ مستدرک حاکم میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز زمین ایک دستر خوان کی طرح پھیلا کر بچھا دی جائے گی پھر انسانوں کیلئے اس پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ہو گی اس بات کو سمجھنے کیلئے یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہیے کہ اس دن تمام انسانوں کو جو حضرت

[1] احمد ترمذی

آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گے بیک وقت زندہ کر کے عدالت الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ اتنی بڑی آبادی کو جمع کرنے کیلئے ناگزیر ہے کہ سمندر، دریا، پہاڑ، جنگل، گھاٹیاں اور پست و بلند تمام علاقے ہموار کر کے پورے کرہ ارض کو ایک میدان بنا دیا جائے تاکہ اس پر ساری نوع انسانی کے افراد کھڑے ہونے کی جگہ پا سکیں۔

پہاڑوں کے فوائد:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو کچھ پیدا کیا اس کے کچھ مقاصد اور فوائد ہیں۔ خواہ انسان وقتی طور پر ان مقاصد اور فوائد کا ادراک نہ کر سکے۔ پہاڑوں کے فوائد تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

(۱) ﴿وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل: ۱۵)

”اس نے زمین میں مضبوط پہاڑ رکھ دیئے تاکہ تمہیں لے کر ہچکولے نہ کھائے۔ اور نہریں اور رستے بنائے تاکہ تم راہ پا سکو۔“

(۲) ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ (الکهف: ۴۷)

”جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل چٹیل اور ہموار دیکھیں گے اور ہم لوگوں کو جمع کریں گے تو کسی کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے۔“

(۳) ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ (النباء: ۷)

”اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔“

رواسی ایسے سلسلہ ہائے کوہ کو کہا جاتا ہے جو سینکڑوں میل تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ زمین ہچکولے نہ کھائے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین کو پیدا کیا گیا تو وہ ڈگمگاتی اور ہچکولے کھاتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ رکھ دیئے (ترمذی۔ ابواب التفسیر) جن کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر پہاڑوں

کو کسی خاص ترتیب اور حکمت سے پیدا کیا اور رکھا گیا ہے۔ کہیں اونچے اونچے پہاڑ ہیں۔ کہیں پھیلاؤ زیادہ ہے لیکن بلندی کم ہے کہیں دور دور تک پہاڑوں کا نام ونشان ہی نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ زمین کے توازن کو قائم رکھنے کیلئے کیا گیا ہے۔ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ پہاڑوں کا وجود زلزلوں کو روکنے میں بڑا ممد ثابت ہوا ہے۔ گویا پہاڑوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان زمین پر سکون سے رہ سکتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک خالی کشتی پانی میں ادھر ادھر ہلتی اور ڈگمگاتی رہتی ہے۔ جب اس میں بوجھ ڈال دیا جائے تو اس کا ہلنا جلنا بند ہو جاتا ہے۔ ہماری زمین بھی جدید نظریہ ہیئت کے مطابق فضا میں تیزی سے تیر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر مناسب اور متوازن پہاڑ ٹھونک کر اس کی ڈگمگاہٹ کو ختم کر دیا ہے۔

انہیں پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو رواں کیا چنانچہ دنیا کے بیشتر دریاؤں کے منابع پہاڑوں میں ہی واقع ہوئے ہیں۔ انہی پہاڑوں سے ندی نالے بھی نکلتے ہیں اور پھر دریاؤں کے ساتھ ساتھ راستے بھی بنتے چلے جاتے ہیں۔ ان قدرتی راستوں کی اہمیت پہاڑی علاقوں میں تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگرچہ میدانی علاقوں میں بھی کچھ کم نہیں ہے۔

قیامت کے دن کی ہولناکی:

قیامت کے دن کی ہولناکی ایسی سخت ہوگی کہ پہاڑوں جیسی سخت چیز ہواؤں میں اڑتی پھرے گی۔ اس عالم میں انسان کا کیا حشر ہوگا جس کی رشد و ہدایت کے لئے یہ سارا قرآن نازل کیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝﴾ (القارعہ: ۵)

''اور پہاڑ ایسے ہوں گے جیسے مختلف رنگوں کی دھنکی ہوئی اون۔''

زلزلے کے جھٹکوں سے پہاڑ زمین سے اکھڑ جائیں گے۔ پھر پے در پے ضربوں سے روئی کے گالوں کی شکل اختیار کر لیں گے۔ پہاڑوں کے رنگ بھی چونکہ مختلف ہوتے ہیں لہٰذا رنگ برنگی روئی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آج علم فلکیات (Astronomy) میں اتنی ترقی ہوگئی ہے کہ مختلف سیاروں کی

گردش اوران میں کشش ثقل کا توازن بہتر انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔ جیسے ہی اللہ کو حکم آیا تو آپس میں ٹکرانا شروع کر دیں گے۔ صرف پہاڑ ہی کیا یہ سیارے بھی پاش پاش ہو جائیں گے۔ نہ پہاڑ رہیں گے نہ سمندر۔ زمین پھیلا دی جائے گی۔ اس کا رقبہ اتنا بڑھ جائے گا کہ اگلے پچھلے سب سما جائیں گے۔

اس موقعہ پر افادۂ قارئین کے لئے ماہنامہ محدث ستمبر 2003ء سے شکریے کے ساتھ ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ مقالہ نگار ریاض الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''معلوم ہوا کہ زمین پر پہاڑوں کو نصب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ زمین ڈھلکنے اور جھٹکے لگنے سے محفوظ رہے۔ اگرچہ نزولِ قرآن سے پہلے دنیا اس حقیقت سے ناواقف تھی' تاہم اب جدید سائنسی تحقیقات نے بھی قرآن مجید کی اس بات کی تائید کر دی ہے۔

جدید علم طبقات الارض کے مطابق ''پہاڑ قشر زمین (Earth`s Crust) بنانے والی عظیم پلیٹوں کی حرکت اوران کی باہمی رگڑ اور مسلسل ٹکراؤ کے نتیجے میں تشکیل پاتے ہیں۔ جب دو پلیٹیں آپس میں متصادم ہوتی ہیں تو ان میں سے جو مضبوط ہوتی ہے' وہ دوسری کے نیچے گھس جاتی ہے اور اوپر والی خم کھا کر بلندی اختیار کر لیتی ہے' اسی طرح پہاڑ وجود میں آ جاتا ہے۔ جبکہ نیچے والی تہہ زمین کے نشیب میں زیریں جانب بڑھتی چلی جاتی ہے اس طرح ایک گہرائی عمل میں آنے لگتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کا ایک حصہ نیچے کی جانب بھی ہوتا ہے جو سطح زمین سے نظر آنے والے حصہ کے تقریباً مساوی ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر پہاڑ سطح زمین کے نیچے اور اوپر سے آگے کی طرف بڑھتے ہوئے قشر ارض کی پلیٹوں کو آپس میں بھینچ دیتے ہیں جس سے زمین کی مضبوطی بڑھتی ہے۔ مختصر طور پر ہم پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو زمین کے مختلف حصوں کو اسی طرح جوڑتے ہیں جیسے میخیں لکڑی کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑتی ہیں۔'' (قرآن رہنمائے سائنس از ہارون یحییٰ' ص ۱۴۲)

۱۹۸۷ء میں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اسلام آباد میں منعقد ہونے والی مذکورہ بالا بین الاقوامی کانفرنس میں ایک امریکی سائنس دان نے قرآن مجید کی ان چند (مذکورہ) آیات (جن میں پہاڑوں کو میخیں کہا گیا) کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۰۰ سال پہلے

تک سائنس دانوں کا یہی خیال تھا کہ پہاڑ ایسے ہی ٹیلے ہیں جیسے ریت کے ٹیلے بن جاتے ہیں یا قدرتی طور پر مسلسل آندھی وطوفان کے نتیجے میں کسی جگہ مٹی' ریت اور پتھروں کا ڈھیر لگ جاتا ہے مگر اب جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہاڑ اگر ایک میل اونچا ہوتو اس کی جڑ کئی میل تک گہری ہوتی ہے' جس طرح میخ کا کچھ حصہ اوپر نظر آتا ہے جبکہ اس کا بڑا حصہ زمین میں ہوتا ہے۔

المختصر یہ کہ اس امریکی سائنس دان نے قرآن مجید کی ان آیات کو معجزاتی آیات قرار دیا کیونکہ ان آیات میں جن حقائق کو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کیا گیا ہے' سائنس دان ان حقائق تک پہنچنے میں اب کامیاب ہوئے ہیں۔

(۱۴) قیامت کب آئے گی؟

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَاo فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰ هَا o اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَاo﴾ (النازعات: ٤٢ تا ٤٤)

''یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے بارے پوچھتے ہیں کہ کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ کو اس کے ذکر سے کیا واسطہ؟ اس کا علم تو آپ کے رب پر ختم ہوتا ہے۔''

قیامت کا موضوع اتنا اہم ہے کہ قرآن مجید میں جابجا اس کا ذکر ہوا ہے۔ ویسے تو کفار مکہ نے کئی دفعہ قیامت کے بارے سوال کیا ہوگا کہ کب ہوگی؟ مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر ہی اس سوال کا دوسری دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے سورۃ الاحزاب کی آیت 187 میں بھی یہی سوال نقل کیا گیا ہے جیسے کسی چیز کی تاکید اور اہمیت کیلئے بار بار اس کا ذکر کیا جاتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔

(۱) ﴿اَلْحَآقَّةُo مَاالْحَآقَّةُ o وَمَا اَدْرٰىکَ مَاالْحَآقَّةُo﴾ (الحاقة: ١ تا ٣)

''سچ مچ ہو کر رہنے والی o وہ سچ مچ ہو کر رہنے والی کیا ہے o اور آپ ﷺ کیا جانیں کہ وہ سچ مچ ہو کر رہنے والی کیا ہے؟''

(۲) ﴿اَلْقَارِعَةُo مَا الْقَارِعَةُ o وَمَا اَدْرٰىکَ مَاالْقَارِعَةُo﴾ (القارعة: ١ تا ٣)

''کھڑ کھڑانے والی o وہ کیا ہے کھڑ کھڑانے والی o اور آپ ﷺ کیا جانیں وہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے؟''

کفار مکہ کے نزدیک قیامت کا تصور اور نظریہ ایک عجیب چیز تھی۔ جب قرآن نے بانگ دہل یہ اعلان کیا کہ قیامت فی الواقع آنے والی ہے اور تمہیں مٹی میں گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے تمہارے اعمال کی باز پرس کی جائے گی تو اس کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ مسلمانوں اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سامنے ہی آپس میں گفتگو کرتے اور بعض

اوقات نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے کہتے کہ یہ قیامت کب آئے گی؟ ہم مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے۔ آج تک تو کوئی مرا ہوا انسان زندہ نہیں ہوا۔ یہ کیسی انہونی بات ہے۔ ایسے سوالات کا مقصد صرف رسول اکرم ﷺ کی تضحیک وتحقیر اور مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرنا ہوتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَمَّ يَتَسَآءَ لُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○﴾ (النبا : ۱ تا ۵)

''کس چیز کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں کیا بڑی خبر کے متعلق جس میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہرگز نہیں جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا ہاں یقیناً جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

دور نبوی ﷺ میں عقیدہ آخرت کے متعلق کئی طرح کے اختلافات پائے جاتے تھے کچھ لوگ تو دہریے تھے جو سرے سے اللہ کی ہستی کے ہی قائل نہ تھے ان کیلئے عقیدہ آخرت خارج از بحث تھا' مشرکین مکہ اللہ کی ہستی کے تو قائل تھے مگر آخرت کے منکر تھے۔ عیسائی آخرت کے تو قائل تھے مگر ان میں سے اکثریت کا عقیدہ یہ تھا کہ اخروی عذاب وثواب صرف روح پر وارد ہوگا۔ بدن جو گل سڑ چکا ہے اسے دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا۔ کچھ لوگ نظریہ لا ادریت کے قائل تھے یعنی وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ ان کے خیال میں یہ دونوں صورتیں ممکنات سے تھیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت قائم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی انسان کا قصہ پاک ہو جائے اور قیامت کا نظریہ محض قیاسی اور وہمی ہو۔ ان سب اختلافات کے باوجود یہ لوگ عملاً اور نتیجہ کے لحاظ سے آخرت کے منکر تھے۔

جب ان کے سامنے نفخہ صور کا ذکر کیا جاتا۔ پہاڑوں کو نیست ونابود اور زمین کو برابر کر دیا جائے گا۔ آسمان پھٹ جائے گا۔ لوگوں کا حساب کتاب ہوگا۔ اچھے اعمال والوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں اور برے اعمال والوں کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اسی طرح جو لوگ قرآن پر ایمان لائیں گے اور اس کے مطابق زندگی گزاریں تو جنت کے مستحق بصورت دیگر انہیں دوزخ کی صورت میں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان ساری باتوں

کو وہ فرضی اور من گھڑت سمجھتے تھے۔ اس لیے کچھ خود چڑ کر اور کچھ رسول اکرم ﷺ کو تنگ کرنے کیلئے کہتے کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو وہ کب آئے گا۔ ابھی کیوں نہیں لے آتے تاکہ ہم بھی جان لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ○ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ﴾ (الشوریٰ:۱۷'۱۸)

''آپ ﷺ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی ہو۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کیلئے جلدی مچاتے ہیں۔ حالانکہ ایمان دار اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ ایک حقیقت ہے۔''

اگر انہیں عذاب آخرت قیامت اور اعمال کی باز پرس کا یقین ہوتا تو وہ کبھی عذاب کیلئے جلدی نہ مچاتے اور جو لوگ روز آخرت اور اعمال کی جواب دہی پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اپنے محاسبہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور یقین نہ رکھنے والوں کو چونکہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا یقین نہیں ہوتا اس لیے وہ گناہ کے کاموں پر دلیر ہوتے ہیں۔ حق اور عدل وانصاف کی راہ سے ہٹ کر اپنی سرکشی اور گمراہی میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ قیامت جو کہ فیصلے کا دن ہے جس کو یوم الفصل بھی کہا گیا ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے قیامت کے بارے اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی علم نہیں دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اس سوال کے جواب میں فرمایا ہے:

﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○﴾ (القمر:۱)

''قیامت قریب آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا۔''

قیامت کے عقیدہ کا عملی پہلو:

قیامت کے عقیدہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان دنیا کی زندگی میں ایسے کام کرے جو اس کے لیے آخرت میں نفع مند ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ کسی بھی انسان کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی موت کب اور کہاں واقع ہوگی۔ احادیث سے معلوم

ہوتا ہے کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت واقع ہوگئی۔ تدفین کے ساتھ ہی اس کا حساب شروع ہو جائے گا۔ جس شخص نے اچھے اعمال کیے ہوں گے اس کے لیے قبر میں جنت کی ایک کھڑکی کھل جائے گی۔ جہاں سے تازہ خوشبودار ہوائیں آئیں گی۔ اسی طرح جس کے اعمال اچھے نہ ہوئے اس کے لیے قبر میں جہنم کی کھڑکی کھل جائے گی۔ جہاں سے گرم بدبودار آگ کی لپٹیں آئیں گی۔ اس لیے انسان کو ہر وقت اپنے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ معاملات کو درست رکھنا چاہیے۔ حقوق اللہ کا بھی خیال رکھے اور حقوق العباد کا بھی لحاظ رکھے۔ اس سلسلہ میں یہ دو احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے اور لوگوں کو ہنستے دیکھا تو فرمایا "خبردار! اگر تم لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کا بکثرت ذکر کرتے ہو تو اس طرح نہ ہنستے۔ لذتوں کو مٹانے والی چیز۔ موت' کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ سنو! قبر ہر روز یہ پکارتی ہے میں غربت کا گھر ہوں' میں تنہائی کا گھر ہوں' میں مٹی کا گھر ہوں' میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں۔ جب مومن آدمی دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے تجھے خوش آمدید ہو۔ مجھ پر چلنے والے لوگوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا۔ آج جب کہ تجھے بے بس کر کے میرے حوالے کر دیا گیا ہے تو میرا احسن سلوک دیکھ لے گا قبر اس آدمی کی حد نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جب فاجر یا کافر آدمی کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے تیرے لیے خوش آمدید نہیں مجھ پر چلنے والے لوگوں میں سے تو میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت انسان تھا۔ آج تجھے بے بس کر کے میرے حوالے کر دیا گیا ہے اب دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد قبر اسے بھینچ لیتی ہے حتی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بات سمجھانے کے لیے) ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور فرمایا "پھر ستر اژدہے اس پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اژدہا اگر زمین پر پھنکار دے تو رہتی دنیا تک روئے زمین پر کوئی سبزہ نہ اگے وہ ستر اژدہے قیامت تک اس

کافر یا فاجر انسان کو کاٹتے اور نوچتے رہتے ہیں۔'' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (آخر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔'' (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے' تو صبح وشام اسے اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اگر جنتی ہو تو جنتیوں کا اگر جہنمی ہو تو جہنمیوں کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جاتی ہے۔'' (بخاری)

حدیث جبرئیل میں جب جبرئیل نے ایمان اور ارکان اسلام کی تعلیم دینے کے بعد قیامت کے بارے سوال کیا۔

(قال متی الساعة قال ما المسئول باعلم من السائل و سأخبرک عن اشراطها اذا ولدت الاَمة رَبَّهَا واذا تطاول رعاة الابل البُهم فی البنیانَ. فی خمس لایعلمهن اِلا اللّٰہ ثُمَّ تلا النبیُّ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الایة) (بخاری۔ کتاب الایمان)

''جبرئیل نے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جس سے پوچھا گیا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اور میں تمہیں اس کی نشانیاں بتا دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے مالک کو جنے گی' جب کالے اونٹ چرانے والے لمبی لمبی عمارتیں بنائیں گے۔ قیامت غیب کی ان پانچ باتوں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر سورۃ لقمان کی یہ آیت پڑھی۔ بے شک اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب ہوگی؟''

اس موضوع پر قرآن مجید میں جا بجا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الملک: ٢٦)

''کہہ دیجیے کہ اس (قیامت) کا علم اللہ کو ہی ہے اور میں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

علاماتِ قیامت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہیں (۱) علم اٹھ جائے گا۔ (۲) جہالت چھا جائے گی۔ (۳) زنا عام ہوگا۔ (۴) شراب نوشی عام ہوگی۔ (۵) مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت ہوگی' حتی کہ پچاس پچاس عورتوں کے لیے ایک مرد نگران ہوگا۔'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''یہ قیامت کی علامت ہے کہ آدمی مسجد سے گزرے گا لیکن دو رکعت نماز ادا نہیں کرے گا اور سلام صرف اسے کہے گا جسے وہ پہچانتا ہے۔'' (طبرانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ لوگ مساجد کے معاملے میں ایک دوسرے پر فخر جتلائیں گے۔'' (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک فتنے ظاہر نہ ہوں جھوٹ کی کثرت ہو جائے گی' تجارتی مراکز عام ہو جائیں گے' وقت گھٹ جائے گا' ہرج بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔'' عرض کیا گیا ''ہرج کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''قتل کرنا'' (احمد)

دوسرا باب

(۱) اصلاح نسواں

﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝﴾ (النساء:۱۲۷تا۱۳۰)

''لوگ آپ سے عورتوں کے بارے فتویٰ پوچھتے ہیں۔آپ ﷺ کہہ دیں کہ اللہ تمہیں ان کے بارے فتوی دیتا ہے۔اس بارے میں بھی جو یتیم عورتوں سے متعلق اس کتاب میں پہلے سے تمہیں (احکام) سنائے جا چکے ہیں۔جن کے مقررہ حقوق (میراث وغیرہ) تو تم دیتے نہیں اور ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو اور ان بچوں کے بارے بھی جو ناتواں ہیں۔نیز اللہ تمہیں یہ بھی ہدایت دیتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔جو بھلائی کا کام تم کرو گے اللہ یقیناً اسے خوب جانتا ہے ۝ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو اگر میاں بیوی آپس میں سمجھوتہ کرلیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں صلح بہتر

حال بہتر ہے اور لالچ تو ہر نفس کو لگا ہوا ہے۔ لیکن اگر تم احسان کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جو کچھ تم کرو گے اللہ یقیناً اس سے خوب واقف ہے O اگر تم اپنی بیویوں کے درمیان کما حقہ عدل کرنا بھی چاہو تو ایسا ہرگز نہ کر سکو گے۔ لہٰذا یوں نہ کرنا کہ ایک بیوی کی طرف تو پوری طرح مائل ہو جاؤ اور باقی کو لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا رویہ درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بلا شبہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے O اگر دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا حکمت والا ہے۔"

زمانہ جاہلیت میں عورت کی حالت زار:

ظہور اسلام سے قبل تمام ادیان میں عورتوں کی معاشرتی حالت بہت ناگفتہ تھی۔ والدین کے ہاں بیٹی کا پیدا ہونا ان کیلئے باعث ننگ و عار تھا۔ بچپن میں ہی اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی لڑکی بچ بھی جاتی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محض خادمہ بن کر گھر کے مردوں کی خدمت کرتی رہے۔ مرد عورت کے نان نفقہ کا پابند نہ تھا' اسے کسی قسم کا سماجی حق حاصل نہ تھا۔ یہودیت اور عیسائیت دونوں نے عورت کو بدکار اور بد نیت اور مرد کو نیک فطرت گردانا۔ چنانچہ مرد عورت پر مکمل طور پر متصرف ہوتا تھا۔ مرد وارث کی موجودگی میں عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا۔ طلاق پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مرد جتنی دفعہ چاہتا عورت کو طلاق دیتا۔ پھر دوران عدت اس سے رجوع کر لیتا' مرد گھر میں جتنی چاہتا بیویاں ڈال لیتا' جب کسی سے جی بھر گیا تو اس سے تعلقات منقطع کر لیتا' ماں کی شکل میں عورت کا مقام' مرتبہ بہت گرا ہوا تھا۔ باپ کی بیویاں بیٹوں میں ترکہ اور جائیداد کی صورت میں تقسیم ہوتیں۔ سوتیلی ماں سے بھی نکاح کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

عورت پر اسلام کی مہربانیاں:

یہی وہ حالات تھے جن میں لوگ آپ ﷺ سے عورتوں کے بارے مسائل پوچھتے۔ نبی اکرم ﷺ جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا انہوں نے معاشرے کے اس مظلوم طبقہ کو بھی اس کے حقوق کما حقہ عطا کیے۔ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے بیٹی کو

وہ رتبہ دیا کہ وہ خاتون جنت کہلائی۔ وہ بیٹی جسے پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اس بیٹی کے آنے پر دونوں جہان کے سردار آپ ﷺ اس کی تعظیم کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسلام نے عورت کو وہ مقام اور تکریم دی جس کی وہ مستحق تھی۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کے مقدس رشتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ یتامیٰ، خواتین اور غلاموں کو قعر مذلت سے نکال کر بلند مقام عطا فرمایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ طبقہ اناث کو جو فیض اور برکات اسلام نے عطا کیں وہ صرف اسلام کا ہی خاصہ ہے۔ کوئی دوسری تہذیب، تمدن یا مذہب اس کا عشر عشیر بھی عورت کو نہ دے سکا۔

یتیم کی سرپرستی اور خیر خواہی:

سوال کا جواب دینے سے قبل اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ کی ابتدائی آیات کی طرف توجہ دلائی۔ جو یتیم لڑکیوں کے متعلق بالخصوص اور یتیم بچوں کے متعلق بالعموم ارشاد فرمائے تھے۔ معاشرتی قباحتوں میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ یتیم کی پرورش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں اور یتیم کا سرپرست جنت میں اس طرح ہوں گے پھر آپ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ذرا کھول کر اشارہ کیا[1]۔ لیکن عرب میں یتیموں کے حقوق کئی طرح پامال ہو رہے تھے۔ مثلاً جو چیزیں بطور امانت سرپرست کے پاس ہوتیں انہیں واپس کرتے وقت وہ یہ کوشش کرتا کہ اچھی چیز کے بدلے کوئی پرانی اور گھٹیا چیزیں دے کر خانہ پری کر لے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کھانے پینے کی اشیاء کو ملا جلا لیا جس میں یتیم کو کسر لگانے اور اپنا فائدہ ملحوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ان دونوں باتوں سے منع کرتے ہوئے ایک اصولی بات بتا دی کہ جس طرح بھی یتیم کا مال کھاؤ بہر حال یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم لڑکیوں سے ناانصافی:

زیادہ حق تلفی یتیم لڑکیوں کی ہوتی تھی، اب یہ تو ظاہر ہے کہ یتیم لڑکی کا ولی کوئی قریبی

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب

رشتہ دار ہی ہو سکتا ہے۔ اور وراثت میں بھی ولی اور یتیم لڑکی کا اشتراک ممکن ہے۔ اب لڑکی کے جوان ہونے پر کئی صورتیں پیش آ سکتی تھیں۔ ایک یہ کہ لڑکی خوبصورت نہ ہو اور ولی کے دل میں اس کی الفت بھی نہ ہو۔ وہ محض اس طمع سے اس سے نکاح کرے کہ اس کا وراثت کا مال ہاتھ سے نکل جائے گا اس خیال سے نکاح کرنا بھی اس یتیم لڑکی پر ظلم ہے۔ دوسرے یہ کہ لڑکی خوبصورت بھی ہو اور صاحب جائیداد بھی ہو۔ اس صورت میں ولی اس سے نکاح کر لیتا مگر جتنا حق مہر اسے دوسروں سے مل سکتا تھا اسے اس سے بہت کم دیتا اور دوسرا کوئی شخص ولی کی موجودگی میں اسی سے نکاح بھی نہ کر سکتا تھا۔ جبکہ ولی خود اس کا خواہش مند ہو۔ یہ بھی یتیم لڑکیوں کے حقوق پر ڈاکہ کی ایک صورت تھی۔ یہی ناانصافیاں تھیں جن کی اصلاح کے بارے یہاں احکامات دیئے جا رہے ہیں۔ اس بارے چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص ایک یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا۔ اس نے صرف اسی غرض سے اس کے ساتھ نکاح کر لیا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کی مالکہ تھی ورنہ اس کے دل میں اس لڑکی کے لیے کوئی الفت نہ تھی۔ اس حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ لڑکی اس درخت اور دوسرے مال اسباب میں اس مرد کی حصہ دار تھی۔ [1]

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے مذکورہ آیت (النساء:۳) کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ بھانجے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یتیم لڑکی اپنے ولی کی پرورش میں ہو۔ ترکہ کی رو سے اس کی جائیداد میں حصہ دار ہو۔ ولی کو اس کا مال اور جمال تو پسند آئے مگر وہ اسے اتنا مہر دینے پر راضی نہ ہو جتنا دوسرے لوگ اسے دیتے ہیں تو وہ اس سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر اتنا ہی دے دے تو پھر نکاح کر سکتا ہے۔ ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے جو انہیں پسند ہو نکاح کرے اور چار تک ایسی بیویوں کی اجازت دی گئی۔ [2]

[1] بخاری کتاب التفسیر [2] بخاری کتاب التفسیر

تیسری صورت میں لڑکی نہ خوبصورت نہ صاحب مال ہو۔ اس صورت میں ولی کو اس سے نکاح کی کوئی رغبت ہی نہ ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ یتیموں کے حقوق کی طرف بھی توجہ دلائی۔ کہ ان کے اموال کو کسی طرح بھی نقصان پہنچانے کا سبب نہ بنو۔ ان کے اموال کو اپنے مال میں اس نیت سے نہ ملاؤ کہ ان کا مال ہڑپ کر سکو۔ اس کام کو رسول اکرم ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے۔ اسی صورت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً﴾ (النساء: ۱۱۰)

''جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔''

ان بے انصافیوں سے بچنے کی خاطر یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں نے یہ محتاط رویہ اختیار کیا کہ ان سے نکاح کرنا ہی چھوڑ دیا۔ لیکن اس طرح بھی بعض اوقات نقصان کی صورت پیش آ جاتی تھی۔ وہ یہ تھی کہ جس قدر اخوت اور بہتر سلوک انہیں سرپرستوں سے نکاح کرنے میں میسر آ سکتا تھا وہ غیروں کے ساتھ نکاح میں مفقود تھا۔ بعض دفعہ ان کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ اس آیت کے ذریعہ زیر کفالت یتیم بچیوں سے نکاح کی دو شرطوں سے اجازت دی گئی۔ ایک تو ان کے حق مہر میں کمی نہ کرو اور دوسرے جو کچھ طے کرو وہ ضرور ادا کرو اور ان کے حقوق وراثت بھی ادا کرو۔

دور جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ نہ میت کی بیوی کو وراثت سے کچھ حصہ دیتے تھے اور نہ یتیم لڑکیوں کو' بلکہ وراثت کے حقدار صرف وہ لڑکے سمجھے جاتے تھے جو لڑائی کرنے اور انتقام لینے کے قابل ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ بن ربیع کی عورت سعد کی دونوں بیٹیوں کو ساتھ لے کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کا باپ تو آپ ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گیا اور اس کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کیلئے کچھ نہیں چھوڑا۔ یہ بھی آپ ﷺ جانتے ہیں کہ ان کی شادی تبھی ہو گی کہ ان کے پاس کچھ مال ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ اس بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔ پھر میراث کی آیات اتریں، رسول اکرم ﷺ نے ان کے چچا کی طرف پیغام بھیجا کہ دو تہائی مال تو سعد کی بیٹیوں کو دے دو۔ آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دے دو۔ جو باقی بچے وہ خود لے لو[1]۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میراث کی رو سے بیواؤں یتیم لڑکیوں کے علاوہ چھوٹے بچوں کو بھی وراثت میں حقدار بنا دیا۔ اور اس آیت میں ماکتب لھن کے الفاظ اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! میں دو ضعیفوں کا حق (مارنا) حرام کرتا ہوں یتیم کا اور عورت کا۔" (ابن ماجہ)

زوجین کا باہمی سمجھوتہ:

میاں بیوی کے درمیان نکاح ایک بڑا مقدس رشتہ ہے۔ جس سے زوجین میں ایثار، ہمدردی اور محبت بڑھتی ہے۔ اس رشتے کو ختم کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا (ابغض الحلال عنداللہ الطلاق) اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے۔ اس ناپسندیدہ بات سے بچنے کیلئے زوجین آپس میں کسی بھی شرعی طریقہ سے مصالحت کر لیں تو اس بات کی شریعت میں مکمل اجازت ہے۔ کبھی مرد اپنی بیوی سے خوش ہوتا ہے اور کبھی ناخوش، کبھی ناراض ہو کر الگ کر دیتا ہے۔ ان حالات میں بیوی اگر خاوند کو خوش کرنے کیلئے اپنے کسی حق یا حقوق سے دست بردار ہو جائے تو جائز ہے۔ مثلاً نان نفقہ چھوڑ دے یا شب باشی کا حق چھوڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، پھر اس بات کی طرف بھی اللہ تعالیٰ ترغیب دلاتے ہیں کہ اگر آپس میں معروف طریقے سے معاملات طے ہوں تو بہت ہی بہتر بات ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ (ام المومنین) کو عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اکرم ﷺ مجھے طلاق نہ دے دیں۔ وہ جانتی تھیں کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت محبوب رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے

[1] احمد۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ

دیا۔ چنانچہ اسی بات پر صلح ہوگئی۔ گویا میاں بیوی جس بات پر بھی راضی ہو جائیں جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ جن میں سے آپ ﷺ نے آٹھ میں باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تھے۔ اگر کسی شخص کی بیوی عمر رسیدہ ہے اولاد نہیں ہوتی۔ اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں تو جائز ہے۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج کی بیوی جب عمر رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کر لیا۔ پھر وہ اسے چاہنے لگے اور پہلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ پہلی بیوی نے تنگ آ کر طلاق طلب کی۔ انہوں نے طلاق دی اور عدت کے اندر ہی رجوع کر لیا تاکہ یہ بوڑھی عورت زیادہ پریشان نہ ہو۔ پھر دوسری دفعہ بھی انہوں نے طلاق طلب کی۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی اور عدت کے اندر پھر رجوع کر لیا۔ تیسری دفعہ بھی یہی معاملہ ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ دیکھو اب یہ تیسری اور آخری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کر لو۔ انہوں نے سوچ کر جواب دیا۔ اچھا مجھے اسی طرح منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے لگیں۔

اس آیت میں لالچ سے مراد صرف مال و دولت کا لالچ نہیں بلکہ تمام مرغوبات نفس شامل ہیں۔ عورت اگر اپنے خاوند کی پسند کو ملحوظ خاطر رکھے گی تو یقیناً مرد کا دل بھی نرم ہو جائے گا۔ اور صلح کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔ اگر تم بغیر کسی لالچ کے محض اللہ سے ڈر کر اپنی بیوی سے بہتر سلوک کرو تو اللہ یقیناً تمہیں اس احسان کا بہتر بدلہ دے گا۔

ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں کسی ایک کی طرف جھک جانا اور دوسری کو بالکل چھوڑ دینا یہ بہت ناانصافی کی بات ہے۔ مثلاً ایک بیوی جوان ہے دوسری بوڑھی' ایک خوبصورت ہے دوسری قبول صورت' ایک کنواری ہے اور دوسری شوہر دیدہ' ایک خوش مزاج ہے دوسری غصہ آور' ایک ذہین ہے اور دوسری کند ذہن اور غبی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں جن میں اگرچہ عورت کا اپنا کچھ عمل دخل نہیں تاہم یہ خاوند کیلئے میلان یا عدم

میلان کا سبب ضرور بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے میلان اور عدم میلان پر انسان کا چونکہ اپنا کوئی کنٹرول نہیں ہے لہٰذا ایسے امور پر اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہے۔ مواخذہ تو صرف ان باتوں پر ہوگا جو انسان کے اپنے اختیار میں ہوں مثلاً نان نفقہ اور دوسری ضروریات زندگی کا خیال رکھنا' عورتوں کی باری مقرر کرنا وغیرہ' اب جو باتیں انسان کے اختیار میں نہیں۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کما حقہ عدل نہ کرسکو گے۔ اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف میلان رکھے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔[۱]

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ آپ ﷺ جب (مرض الموت میں) بیمار ہوئے اور بیماری شدت اختیار کرگئی تو آپ ﷺ نے باقی بیویوں سے اجازت لی کہ آپ ﷺ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔ تمام بیویوں نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی۔[۲]

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہ سنت ہے کہ جب کسی کنواری سے نکاح کرے تو اس کے ہاں سات دن رہے۔ پھر باری مقرر کرے۔ جب شوہر دیدہ سے نکاح کرے تو اس کے ہاں تین دن رہے اور پھر باری مقرر کرے۔[۳]

بعض مسلمان جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں اور یک زوجگی کے قائل ہیں۔ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام ایک طرف تو تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے لیکن دوسری طرف عدل کو ناممکن قرار دے کر عملاً اس اجازت کو منسوخ کر دیتا ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل کو صرف ان باتوں میں ناممکن قرار دیا ہے جو انسان کے بس سے باہر ہیں اور ان پر مواخذہ بھی نہیں ہے۔ دوسرا جواب اسی آیت کے اندر موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ لہٰذا ایک ہی بیوی کی طرف نہ جھک جاؤ' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کی اللہ نے اجازت دے رکھی ہے۔ اس طرح ان کے شبہ یا اعتراض کی مکمل تردید ہو جاتی ہے۔

[۱] دارمی۔ کتاب النکاح [۲] بخاری۔ کتاب الھبۃ [۳] بخاری۔ کتاب النکاح

اگر زوجین میں حسن معاشرت کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو اسلام اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ گھر میں ہر وقت کشیدگی اور لڑائی جھگڑے کی فضا رہے اور جہنم زار بنا رہے۔ اس حالت میں دونوں کیلئے بہتر ہے کہ وہ الگ ہو جائیں۔ خواہ مرد طلاق دے دے یا عورت خلع لے لے۔ پھر دونوں کا اللہ مالک ہے دونوں کیلئے آسانی کے راستے پیدا فرمائے گا۔ یہ بات کئی بار مشاہدے میں آ چکی ہے کہ میاں بیوی کا آپس میں نباہ ممکن نظر نہ آتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے نالاں تھے۔ طلاق ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اپنے نئے گھروں میں ہنسی خوشی اور سکھ چین سے آباد کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات میاں اور بیوی دونوں یا ان میں کسی ایک کے ذہن میں دوسرے کے متعلق ایسی بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ سیدھی بات سے بھی غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں' جب انہیں نیا ماحول میسر آتا ہے جس میں ذہن ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہوتے ہیں تو ایسی کشیدگی پیدا نہیں ہوتی اور ان دونوں کی خوش باش زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

(۲) کلالہ کے مسائل

﴿یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَکَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَهُوَ یَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (النساء: ۱۷۶)

"وہ آپ ﷺ سے کلالہ کے بارے فتوی پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیں اللہ تمہیں اس بارے فتوی دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کی ایک ہی بہن ہو تو اسے ترکہ کا نصف ملے گا۔ اور اگر کلالہ عورت ہو (یعنی لاولد ہو) تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر دو بہنیں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اگر کئی بہن بھائی یعنی مرد عورتیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے لیے یہ وضاحت کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے"

کلالہ سے مراد:

کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی نہ تو اولاد ہو اور نہ ماں باپ' بلکہ آباء کی جانب بھی کوئی رشتہ دار نہ ہو۔ مسئلہ کی وضاحت کیلئے کچھ ابتدائی باتیں معلوم ہونا ضروری ہیں۔
علم وراثت کو شرعی اصطلاح میں علم الفرائض کہا جاتا ہے۔ یہ علم کچھ مشکل بھی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی تقسیم میں عجیب وغریب شکلیں سامنے آتی ہیں جو ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روزمرہ کے معاملات سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس لیے اس کو سمجھنے کیلئے کوئی خاص کوشش بھی نہیں کی جاتی۔

موضوع کی اہمیت:

اس کی عام ضرورت کے پیشِ نظر اس کو سیکھنے اور یاد رکھنے کی ترغیب احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) (تعلّموا الفرائض و القران و علّموا الناس فانی مقبوض)[۱]

''علم الفرائض اور قرآن خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اس لیے کہ میں وفات پانے والا ہوں''۔

(۲) (العلم ثلاثة وما سوی ذلک فهو فضلٌ اية محكمات او سنة قائمة او فريضة عادلة)[۲]

''علم تین ہیں' ان کے سوا جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔ آیات محکمات کا علم' سنت قائمہ اور انصاف کے ساتھ ورثہ کی تقسیم''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو علم الفرائض سیکھنے کی بہت تاکید فرماتے اور کہتے علم الفرائض سیکھو یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔

وراثت کی تقسیم کیلئے ابتدائی ہدایات:

وراثت کی تقسیم سے قبل چند ایک باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) تجہیز و تکفین:

تجہیز و تکفین کے اخراجات کا بندوبست میت کے ترکہ سے کیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۲) قرضہ کی ادائیگی:

اگر میت کے ذمہ کچھ قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے گا۔ کیونکہ جب تک میت کے سر پر قرضہ ہو اس کی بخشش نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی میت کا جنازہ ہی نہ پڑھاتے تھے۔

---

[۱] ترمذی۔ ابواب الفرائض [۲] ابوداؤد۔ کتاب الفرائض

جب تک حاضرین میں سے کوئی اس کی ذمہ داری نہ لے لیتا (بخاری) اگر بیوی کا حق مہر ادا نہ ہوا ہو تو وہ بھی قرضہ ہے۔ اگر میت پر حج فرض ہو چکا ہو۔ مگر کسی وجہ سے کر نہ پایا ہو یا اس نے کوئی منت مانی ہو تو اس قسم کے اخراجات تقسیم میراث سے پہلے نکالے جائیں گے۔

(۳) وصیت:

فوت شدہ اگر کوئی وصیت کر گیا ہو تو قرض ادا کرنے کے بعد اسے پورا کیا جائے گا۔ وصیت کے متعلق احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) اگر کوئی شخص وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے دو راتیں بھی اس حال میں نہ گزارنا چاہئیں کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔ (مسلم)

(۲) وصیت کی آخری حد:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں بیمار ہوا اور مرنے کے قریب ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس مال بہت ہے اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنا مال اللہ کی راہ میں دے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں پھر میں نے کہا' دو تہائی دے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں پھر میں نے کہا' نصف دے دوں؟ فرمایا' نہیں پھر میں نے پوچھا' تہائی دے دوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تہائی دے سکتے ہوں اور یہ بھی بہت ہے' پھر فرمایا اگر تم اپنی اولاد کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔ بے شک تم جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ حتی کہ اس نوالہ پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے۔ (بخاری) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کاش لوگ تہائی سے کم کر کے چوتھائی کی وصیت کریں۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔ (مسلم)

(۳) کافر' مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ (بخاری۔ کتاب الفرائض)

(۴) قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا (ترمذی۔ابواب الفرائض) اس حکم میں غالباً حکمت یہ ہے کہ کوئی وارث ورثہ کے لالچ میں آ کر کسی کو قتل نہ کر ڈالے' گویا دین کا اختلاف بذات خود مانع میراث ہے۔

(۵) وصیت شرعی وارث کے حق میں نہیں کی جا سکتی۔رسول اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا۔اللہ بزرگ و برتر نے ہر صاحب حق کا حق مقرر کر دیا۔اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔(ترمذی'ابواب الوصایا)

(۶) وصیت کسی بھی غیر وارث' دوست یتیم پوتے یا کسی بھی یتیم'مسکین اور دینی ادارے وغیرہ کے حق میں کی جا سکتی ہے۔ایسی وصیت جس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچتا ہو،حرام ہے۔

(۷) اگر میت جنون یا بے ہوشی میں وصیت کرے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ وصیت معتبر نہ ہو گی۔اس کو درست کرنا ضروری ہے۔

میراث کی تقسیم سے متعلقہ احکام نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں پر وصیت فرض کی گئی تھی۔وہ اپنی موت سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے اقرباء سے متعلق وصیت کر جائیں کہ انہیں میت کی جائیداد سے کتنا کتنا حصہ دیا جائے؟ پھر میت کی وصیت میں اگر کوئی شخص گڑ بڑ کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کا بار انہی لوگوں پر ہو گا جو اس کی وصیت میں تبدیلی کریں گے۔وہاں اگر وصیت کرنے والے نے جانب داری سے کام لیا یا حصوں کی تقسیم میں انصاف سے کام نہ لیا تو ایسی وصیت تبدیل کرنے پر کچھ گناہ نہیں' پھر جب اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں خود ہی سب کے حصے مقرر کر دیے تو ان آیات میراث کی رو سے اب وصیت کی فرضیت ختم ہو گئی۔بالفاظ دیگر وصیت کی فرضیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔اب وصیت کی حیثیت فرض کے بجائے محض اختیاری رہ گئی۔

تقسیم وراثت کے اصول:

صرف وہ وارث ترکہ کے حقدار ہوتے ہیں جو میت کی وفات کے وقت زندہ ہوں۔

فوت شدہ ترکہ سے محروم ہیں۔قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہے۔مثلاً بیٹا موجود ہے تو پوتا محروم' باپ موجود ہو تو دادا محروم ہے' متوفی کی بیوی اگر حاملہ ہو تو پیدا ہونے والا بچہ بھی وراثت کا حقدار ہے۔اس صورت میں وضع حمل تک تقسیم کا عمل رک جائے گا تاکہ معلوم ہو سکے کہ بچہ ہے یا بچی' میت کی بیویاں اگر ایک سے زائد ہوں تو وہ اپنے مقررہ حصہ بصورت اولاد 1/8 اور بغیر اولاد 1/4 میں برابر کی شریک ہوں گی۔میت کی اولاد میں اگر لڑکے لڑکیاں ملے جلے ہوں تو لڑکوں کو لڑکیوں سے دوگنا ملے گا۔والدین میں سے ہر ایک کو 1/6 حصہ ملے گا۔اگر میت کی اولاد نہیں اور صرف والدین ہوں تو ماں کو 1/3 اور باقی 2/3 والد کو ملے گا۔اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کو 1/6 اور باپ کو 5/6 کیونکہ بہن بھائیوں کی ذمہ داری باپ پر ہے یہ اس صورت میں کہ اگر میت کی ابھی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔

میت اگر عورت ہے تو اس کے خاوند کو آدھا ترکہ ملے گا۔بشرطیکہ میت کی اولاد نہ ہو اگر اولاد ہو تو خاوند کو 1/4 ملے گا۔اسی طرح اگر کوئی وارث مفقود الخبر ہے۔تو اس کا بھی انتظار کیا جائیگا۔بصورت دیگر ایسا انتظام کر لیا جائے کہ وہ جب آئے تو اسے اس کا حق مل جائے۔

یہاں وراثت کے مختصر مسائل بیان کیے گئے ہیں جو کہ قرآن وسنت سے اخذ شدہ ہیں' تفصیل کیلئے علم الفرائض کی کتب ملاحظہ کی جائیں۔

کلالہ کی میراث:

کلالہ وہ شخص ہے جس کے نہ والدین ہوں نہ دادا دادی' نہ اولاد اور نہ پوتے پوتیاں' خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت وہ کلالہ ہے۔البتہ اس کے بہن بھائی ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ' اس کی دلیل آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔جو فرمایا ﴿ولہ اخت فلھا نصف ما ترک﴾ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کیلئے کل چھوڑے ہوئے مال کا نصف ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی

نہیں ملتا۔ اس لیے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اسی کے موافق ہے۔

آیت مذکورہ بالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی۔ جس وقت سورہ نساء مکمل ہو چکی تھی۔ اس میں کلالہ کی میراث کے ایک دوسرے پہلو کا ذکر ہے۔ جس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تھا چونکہ کلالہ کی میراث کا حکم اسی سورۃ کی آیات نمبر 12 میں مذکور ہے۔ باقی احکام میراث بھی اسی سورہ کی آیت نمبر 11 اور 12 میں بیان ہوئے ہیں اس لیے اس آیت کو بھی بطور تتمہ اسی سورہ کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کسی بھی سورہ کی آیات میں ربط اور ان کی ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں سب آیات کو اپنے مناسب مقام پر رکھا ہے۔

اولاد تین قسم کی ہوتی ہے (۱) عینی، حقیقی یا سگے بہن بھائی جن کے ماں اور باپ ایک ہی ہوں (۲) علاتی یا سوتیلے جن کا باپ تو ایک ہو البتہ مائیں الگ الگ ہوں (۳) اخیافی یا ماں جائے جن کی ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ ہوں۔ یہاں پر جو کلالہ کے بارے احکام بیان ہوئے وہ حقیقی اور سوتیلے بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

کلالہ کی میراث کے سلسلے میں دو اصول مدنظر رکھے جائیں۔

(۱) اگر کلالہ کے حقیقی بہن بھائی موجود ہوں تو سوتیلے محروم رہیں گے۔ اگر حقیقی نہ ہوں تو وراثت سوتیلے بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگی۔

(۲) کلالہ کے بہن بھائیوں میں میراث اولاد کی طرح تقسیم ہوگی۔ یعنی اگر صرف ایک ہی بہن ہو تو اسے آدھا حصہ ملے گا۔ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان میں دو تہائی تقسیم ہوگا۔ اگر ایک ہی بھائی ہو تو تمام ترکہ کا وہی وارث ہوگا۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو مرد کے دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا۔

اب کلالہ کی پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت ہو اور اس کا خاوند بھی موجود نہ ہو۔ یا مرد ہو اور اس کی بیوی بھی نہ ہو۔ دوسری یہ کہ میت مرد ہو اور اس کی بیوی موجود ہو یا میت عورت ہو اور اس کا خاوند موجود ہو۔ دوسری صورت میں زوجین بھی وراثت میں مقررہ حصہ

کے حقدار ہوں گے۔ مثلاً کلالہ عورت ہے جس کا خاوند موجود ہے اور اس کی ایک بہن بھی زندہ ہے تو آدھا حصہ خاوند کو اور آدھا بہن کو مل جائے گا۔ اگر بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر (عول کے طریقہ پر) کل جائیداد کے چھ کے بجائے سات حصے کر کے تین حصے خاوند کو اور چار حصے بہنوں کو مل جائیں گے۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہیں تو حسب قاعدہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ آدھی میراث ان میں تقسیم ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر پہلی صورت یعنی کلالہ عورت کا خاوند بھی نہ ہو یا مرد کی بیوی بھی نہ ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو آدھا تو اس کو مل گیا۔ باقی آدھا کسے ملے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آدھا (رد کے طور پر) بہن کو ہی دیا جا سکتا ہے اور ذوی الارحام مثلاً ماموں، پھوپھی وغیرہ یا ان کی اولاد موجود ہو تو انہیں ملے گا۔ اگر وہ بھی نہ ہوں تو بقایا آدھا حصہ بیت المال میں بھی جمع کرایا جا سکتا ہے۔ ایسے حالات شاذونادر ہی پیش آتے ہیں۔

اب اخیافی یعنی ماں جائے بہن بھائی کے حصوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ حکم پہلے نازل ہو چکا تھا مگر چونکہ حقیقی اور سوتیلے بہن بھائیوں کی تقسیم کا ابھی ذکر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مسئلہ پوچھنا پڑا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝﴾ (النساء:۱۲)

''اگر میت کلالہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اس کا ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی حصہ میں شریک ہوں گے۔ یہ تقسیم میت کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ بشرطیکہ اس کے قرضہ کی ادائیگی یا وصیت کی تعمیل میں کسی کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بردبار ہے۔''

اس آیت میں جن بہن بھائیوں کا ذکر ہے وہ بالاتفاق اخیافی یعنی ماں جائے ہیں۔ اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ 1/3 ہے۔اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو ہر ایک کا 1/6 اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو بھی انہیں 1/3 سے زیادہ نہ ملے گا اور یہ 1/3 ان میں برابر تقسیم ہو گا۔ مرد کو عورت سے دگنا نہیں ملے گا۔ اگر صرف ایک بھائی یا ایک ہی بہن ہو تو اسے 1/6 ملے گا۔ باقی پہلی صورت میں 2/3 اور دوسری صورت میں 5/6 بچ جائے گا اور اگر ان میں کوئی اور وارث ہو تو اس کو حصہ ملے گا۔ باقی پورے حصہ کے متعلق کلالہ وصیت کر سکتا ہے۔

(موصی) وصیت کرتے وقت وارثوں کو کچھ نقصان اس طرح پہنچا سکتا ہے کہ اندازہ سے زیادہ وصیت کر جائے یا عملاً ایسا کرے کہ تہائی سے زیادہ وصیت کر جائے اس صورت میں وصیت کی اصلاح کر دینی چاہیے تاکہ ورثاء کو نقصان نہ ہو۔ اسی طرح میت مرتے وقت کسی فرضی قسم کے قرضہ کا اقرار کر جائے تو وہ قرض لینے والے کو ممنون اور ورثاء کو نقصان پہنچا سکتا ہے حتیٰ کہ محروم بھی بنا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حلیم اس لحاظ سے ہے کہ اس نے قوانین کے مقرر کرنے میں کوئی سختی نہیں کی۔ بلکہ ورثاء کے فائدے کا زیادہ سے زیادہ لحاظ رکھا ہے۔

مذکورہ آیت کے آخر میں ﴿یبین اللہ لکم ان تضلوا﴾ کے الفاظ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپ ﷺ از خود اس کا جواب دینے کے بجائے وحی الٰہی کا انتظار کرتے تھے۔

❁❁❁

تیسرا باب

اس باب میں وہ احادیث دی گئی ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف اوقات میں سوالات کیے۔ یہ (100) سوالات احادیث (وحی خفی) میں مذکور ہوئے۔ حدیث کے مجموعے سے ایسی مزید احادیث بھی مل سکتی ہیں۔ احادیث کا صرف ترجمہ دیا گیا ہے۔ عربی عبارات کیلئے اصل کتب کی طرف رجوع کریں۔ البتہ ساتھ حوالہ درج کر دیا گیا ہے۔

حصولِ جنت کا ذریعہ

وہ کام جن کے کرنے سے جنت میں داخلہ آسان ہوگا:

(۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ مجھے ایسے کام کے بارے بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ فرمایا کہ تو نے ایک بڑی بات پوچھی ہے۔ بلاشبہ یہ آسان ہے جس پر اللہ آسان کرے۔ تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ نماز قائم کر' زکوۃ دے' رمضان کے روزے رکھ اور خانہ کعبہ کا حج کر' پھر فرمایا! میں تجھ کو بھلائی کے دروازے نہ بتاؤں؟ روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ کرنا گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ آدھی رات کی نماز گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ..... يَعْمَلُوْنَ﴾

پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا میں تجھے کام کا سر[1]' اس کا ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتاؤں' میں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ! فرمایا' کام کا سر اسلام ہے۔ اس کا ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں ان سب کاموں کی جڑ نہ بتاؤں۔ ہاں بتایئے اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا! اس کو قابو میں رکھ۔ پھر میں نے کہا اے اللہ کے نبی! کیا ہم اپنے کلام کی وجہ سے پکڑے جائیں گے[2]۔ فرمایا! تجھے تیری ماں گم کرے اے معاذ! سنو لوگوں کو انکی زبانوں کی باتیں ہی انکے مونہوں یا ناکوں کے بل آگ میں گرائیں گی۔ (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

❁❁❁

[1] جس طرح بدن میں سر کی حیثیت ہے اس طرح امور دین میں اسلام کو سر کا مقام حاصل ہے۔
[2] یعنی زبان کی باتوں کا بھی حساب ہوگا۔

جنت میں داخل کرنے والا عمل

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بدو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جسے کر کے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ مقرر شدہ زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اس نے کہا مجھے اللہ کی قسم! میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ کم، جب وہ چلا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔[1] (متفق علیہ)

(۳) سیدنا معدان بن ابی طلحہ کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم کے آزاد کردہ غلام ثوبان سے ملا تو ان سے کہا۔ مجھے ایسا عمل بتاؤ جسے میں کروں تو اللہ مجھے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے یا میں نے کہا۔ مجھے ایسا عمل بتاؤ جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ تو وہ خاموش رہے۔ میں نے پھر پوچھا۔ وہ خاموش رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس کی بابت رسول اکرم سے پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا! اپنے نفس پر اللہ کے لیے کثرت سے سجدہ کرنا لازم پکڑ۔ اس لیے کہ جب بھی تو اللہ کو سجدہ کرے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تیرا ایک درجہ بلند اور ایک گناہ معاف کر دے گا۔ (مسلم)

۞۞۞

بہترین اعمال

افضل الاعمال کون سے ہیں؟

(۴) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون سے اعمال پسند ہیں۔[2] فرمایا وقت پر نماز پڑھنا، میں نے پوچھا پھر کون سا؟

---

[1] (وضاحت) آپ ﷺ کے اس ارشاد کے وقت ابھی حج کی فرضیت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

[2] بعض احادیث میں اعمال کے بارے اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ موقع محل کی مناسبت سے بہت سے اعمال افضل ہیں۔ مثلاً اگر دشمن سر پر بیٹھا ہو تو جہاد افضل ہے۔ اگر حالات پرسکون ہیں تو نماز افضل ہے۔ بعض اوقات آپ ﷺ سائل کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی جواب دیتے تھے۔

فرمایا! ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا، میں نے پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا! اللہ کی راہ میں جہاد، آپ ﷺ نے مجھے یہ باتیں بتائیں اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ اور بھی باتیں بتاتے۔[1]

بہترین عمل کون سا ہے؟

(۵) سیدنا عبداللہ بن بسر سے روایت ہے ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا۔ کون سا آدمی سب سے بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھے ہوں، اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔ فرمایا! تو دنیا سے اس حالت میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔[2]

(۶) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا۔ سب سے بہترین عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، کہا گیا اس کے بعد، فرمایا! جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا اس کے بعد، فرمایا مقبول حج۔[3]

(۷) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا: اسلام میں کون سا کام بہتر ہے؟ فرمایا! کھانا کھلانا، واقف اور ناواقف کو سلام کہنا۔[4]

(۸) سیدنا ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ کون شخص سب لوگوں میں افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کرے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ پھر کون۔ فرمایا۔ وہ مسلمان جو کسی پہاڑ کی گھاٹی (غیر آباد مقام) میں ہو۔ اللہ سے ڈرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر۔)

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک انصاری آدمی آیا اور سلام عرض کیا۔ پھر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ مومنوں میں سے افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اس نے پھر پوچھا۔ مومنوں میں سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ فرمایا۔ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہو اور موت کے بعد آنے والے وقت کیلئے اچھی طرح تیاری کرتا ہو وہ سب سے زیادہ عقل مند ہے۔ (ابن ماجہ)

---

[1] متفق علیہ [2] احمد۔ ترمذی [3] متفق علیہ [4] متفق علیہ

(۱۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم سے پوچھا گیا۔ لوگوں میں اللہ کے نزدیک کون زیادہ عزت والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہم یہ نہیں پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ (خاندان کے لحاظ سے) یوسف (زیادہ عزت والے ہیں) جو خود پیغمبر، ان کے باپ پیغمبر دادا پیغمبر اور پردادا پیغمبر اللہ کے خلیل (یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام) لوگوں نے کہا۔ ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم عرب کے خاندانوں کو پوچھتے ہو۔ دیکھو لوگوں کی مثال کانوں کی سی ہے۔ (کسی کان سے اچھا مال نکلتا ہے تو کسی سے بُرا) جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں اچھے تھے وہی اسلام میں بھی اچھے ہیں۔ بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (بخاری۔ کتاب بدء الخلق)

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم سے پوچھا گیا۔ فرض نمازوں کے بعد کونسی نماز سب سے افضل ہے اور رمضان المبارک کے بعد کون سے روزے سب سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات یعنی تہجد کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (مسلم۔ کتاب الصیام)

عالم کی فضیلت

(۱۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت ہے، نبی اکرم سے پوچھا گیا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے۔ ایک فرضی نماز کے بعد لوگوں کو علم پڑھاتا دوسرا دن کو روزہ رکھتا اور رات کو قیام کرتا۔ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جو عالم فرضی نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کو پڑھاتا ہے اس کو عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔ اتنی فضیلت ہے جیسے مجھے تم میں سے معمولی آدمی پر۔ (دارمی)

۞۞۞

ایمانیات

دین میں ثابت قدمی:

(۱۳) سفیان رضی اللہ عنہ بن عبداللہ ثقفی فرماتے ہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے متعلق ایسی ٹھوس بات بتائیں کہ اس کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ فرمایا! قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم ہوجا)۔ (مسلم)

ایمان اور گناہ کی تعریف:

(۱۴) ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا۔ ایمان کیا چیز ہے؟ فرمایا! جب تمہیں نیکی اچھی لگے اور برائی بری معلوم ہو تو تُو مومن ہے۔ کہا اے رسول اللہ! گناہ کے بارے بتائیں، فرمایا جو تیرے دل میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دو۔ (مسند احمد)

دیدار الٰہی:

(۱۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا، کیا آپ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟، فرمایا! وہ تو نور ہے میں کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ (مسلم)

وضاحت: اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت میں سب سے بڑی نعمت ہوگا مگر دنیا میں کوئی بھی دیدار الٰہی سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لا تدركه الابصار و هو يدرك الابصار﴾

معجزہ شق القمر:

(۱۶) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، مکہ کے کافروں نے رسول اکرم ﷺ سے معجزہ طلب کیا، پس دکھایا ان کو چاند دو ٹکڑے، یہاں تک کہ انہوں نے حرا پہاڑ کو ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (متفق علیہ)

شفاعت کے مستحق:

(۱۷) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جانتا تھا کہ تجھ سے

پہلے مجھ سے کوئی یہ بات نہ پوچھے گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے حدیث سننے کی کتنی زیادہ حرص ہے۔ قیامت والے دن سب سے زیادہ میری شفاعت کا مستحق وہ ہوگا جس نے سچے دل سے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ (بخاری۔ کتاب العلم)

بے فائدہ اعمال:

(۱۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ نے عرض کیا کہ جدعان کا بیٹا زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا۔ مسکین کو کھانا کھلاتا تھا۔ کیا یہ کام اسے فائدہ دیں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ کیونکہ اس نے کبھی یوں نہیں کہا اے میرے رب قیامت کے دن میرے گناہ معاف فرمانا۔ (صحیح مسلم)

(۱۹) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے جاہلیت میں سو اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی تھی۔ ہشام بن عاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کر دیے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید پرست ہوتا اور تم اس کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے تو اسے ثواب مل جاتا۔ (احمد)

کبیرہ گناہ

(۲۰) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا! اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس نے کہا اس کے بعد کونسا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالے کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہوگی۔ اس نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 68 میں یہی مضمون بیان

فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾

وضاحت: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سات تباہ کن اور ہلاکت خیز گناہوں سے بچو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون کون سے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔جادو کرنا۔ جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ناحق قتل کرنا' یتیم کا مال کھانا' سود کھانا' جنگ سے فرار ہونا' اور پاک دامن سیدھی سادھی اور مومن خواتین پر زنا کا الزام لگانا۔(صحیح بخاری۔کتاب الوصایا)

۞ ۞ ۞

بدترین لوگ اور بہترین لوگ:

(۲۱) احوص بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے شر کے بارے پوچھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے شر کے بارے میں مت پوچھ بلکہ خیر کے بارے میں پوچھو۔یہ بات تین دفعہ کہی' پھر فرمایا' سب بروں میں سے برے علماء سوء ہیں اور سب اچھوں میں سے اچھے علماء خیر ہیں۔(دارمی)

یہ سوال کرنے والے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

بہترین اور بدترین آدمی:

(۲۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ ﷺ! آدمیوں میں سے کون بہتر ہے فرمایا وہ شخص جس کی عمر لمبی ہو اور عمل نیک ہوں پھر اس شخص نے کہا آدمیوں میں برا کون ہے؟ فرمایا وہ شخص کہ اس کی عمر طویل اور عمل برے ہوں۔(احمد۔ترمذی۔دارمی)

نامراد لوگ:

(۲۳) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔تین آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا نہ انہیں (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔رسول اکرم ﷺ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے۔وہ نامراد ہوئے اور گھاٹے میں رہے۔یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں۔آپ نے فرمایا۔ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا۔احسان جتلانے والا۔اور جھوٹی قسموں سے اپنا سامان بیچنے والا۔(متفق علیہ)

حلال وحرام

سمندر کا پانی پاک اور جانور حلال ہیں:

(۲۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ میٹھا پانی لے لیتے ہیں، اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہتے ہیں۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کا پانی پاک ہے اور اس میں مرنے والے جانور حلال ہیں۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

وضاحت: پانی کے جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو بغیر پانی زندہ نہ رہ سکیں۔ اگر آبی جانور پانی میں خود بخود مر جائے تو جب تک اس میں بدبو پیدا نہ ہو وہ حلال ہے۔

(۲۵) ابو سعید سے روایت ہے میں نے رسول اکرم ﷺ سے (پیٹ کے بچے کے بارے میں) پوچھا۔ فرمایا: اگر تم چاہو تو کھالو۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اونٹنی یا بکری ذبح کرتے ہیں۔ اس کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ کیا ہم اسے پھینک دیں یا کھالیں۔ فرمایا۔ اگر چاہو تو کھالو۔ اس کی ماں کا پاک ہونا (ذبح ہونا) ہی بچے کا پاک ہونا ہے۔ (ابوداؤد)

اگر گھی میں چوہا گر جائے تو!

(۲۶) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چوہا گھی میں گر پڑا اور مر گیا۔ نبی اکرم ﷺ سے اس بارے پوچھا گیا۔ فرمایا چوہے اور اس کے اردگرد والے گھی کو پھینک دو اور باقی گھی استعمال کرو۔ (بخاری)

وضاحت: اگر گھی جما ہوا ہو تو ٹھیک ہے اگر گھی مائع صورت میں ہو تو سارا گھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسے کھانے کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے؟

(۲۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی یمن سے آیا اور نبی اکرم ﷺ سے شراب کے بارے پوچھا جو یمن میں جوار سے بنتی ہے جس کو مزر کہا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کیا وہ نشہ لاتی ہے۔ اس نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا، ہر نشہ

لانے والی چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ پر یہ عہد ہے کہ جو نشہ والی چیز پیئے اس کو طینۃ الخبال پلائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! طینۃ الخبال کیا ہے؟ فرمایا! وہ پسینہ ہے دوزخیوں کا یا دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ ہے۔ (مسلم)

بیوی سے ہم بستری۔ باعث ثواب:

(۲۸) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم میں سے کوئی اپنی (بیوی سے ہم بستری کرے) شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اس کے لئے ثواب ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''بتاؤ اگر وہ حرام طریقے سے شہوت پوری کرے تو اس پر گناہ ہوگا یا نہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہوگا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اسی طرح جب وہ حلال طریقے سے شہوت پوری کرتا ہے تو اس کے لئے ثواب ہے۔'' (مسلم)

❁ ❁ ❁

قبولیت دعا کے اوقات

(۲۹) ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کون سی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ فرمایا آخری رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔ (ترمذی)

وضاحت: یعنی جب رات کا چوتھائی حصہ باقی رہ جائے۔

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت:

(۳۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا' جمعہ کو جمعہ کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا! اس میں تمہارے باپ آدم کے خمیر کو اٹھایا گیا۔ اس میں صعقہ (یعنی صور پھونکنا اور سب کا جی اٹھنا) اور بطشہ (قیامت کی دار و گیر) ہوگا۔ اس کی آخری تین گھڑیوں میں ایک ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا کرے۔ اللہ اسے قبول فرماتے ہیں۔ (احمد)

وضاحت: دعا کی قبولیت کے بارے میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد دعا کی قبولیت ہوتی ہے۔

❁ ❁ ❁

انفاق فی سبیل اللہ

اپنی اولاد پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے:

(۳۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر کچھ خرچ کروں تو کیا مجھ کو اس کا اجر ملے گا۔ کیونکہ وہ میرے بھی بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ان پر خرچ کر' جو تو ان پر خرچ کرے گی اس کا تجھے اجر ملے گا۔ (متفق علیہ)

(۳۲) سیدہ زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں مسجد نبوی میں تھی۔ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ فرمارہے تھے۔ تم لوگ خیرات کرو۔ چاہے اپنے زیور میں سے دو۔ زینب اپنے خاوند عبداللہ بن مسعود اور چند یتیموں کو جو ان کی پرورش میں تھے خرچ دیا کرتیں۔ انہوں نے اپنے خاوند سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھو کہ میں خیرات کا مال اپنے خاوند اور چند یتیموں کو جو میری پرورش میں ہیں کو دوں تو کیا درست ہے؟ انہوں نے کہا تم خود جا کر پوچھو۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور وہاں ایک انصاری عورت زینب زوجہ ابو مسعود بھی یہی مسئلہ پوچھنے آئی ہوتی تھی۔ اتنے میں بلال رضی اللہ عنہ آئے۔ ہم نے ان سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے ہمارے لیے پوچھو اور ہمارا نام نہ لینا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ دو عورتیں یہ مسئلہ پوچھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کون سی عورتیں۔ بلال نے کہا۔ زینب نامی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کونسی زینب۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ زینب زوجہ عبداللہ بن مسعود۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بے شک درست ہے اور اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ (بخاری۔ کتاب الزکوۃ)

وضاحت: بیوی اگر مال دار اور خاوند محتاج ہو تو بیوی خاوند کو زکوۃ کی رقم دے سکتی ہے۔ کیونکہ کفالت کی ذمہ داری بیوی کی نہیں بلکہ خاوند کی ہے۔ اس حدیث سے بیوی کا حق ملکیت بھی ثابت ہوتا ہے۔

کون سا صدقہ افضل ہے؟

(۳۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا! اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے بہتر صدقہ کون سا ہے؟ فرمایا! غریب آدمی کی محنت سے کمایا ہوا پیسہ' ان سے شروع کر جن کی تو پرورش کرتا

ہے۔ (ابوداؤد)

وضاحت: غریب آدمی جو محنت سے کما کر پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کا اجر امیر آدمی کے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔

(۳۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! کونسا صدقہ اجر کے لحاظ سے بہت بڑا ہے۔ فرمایا! تو صدقہ اس حالت میں کرے کہ تندرست ہو۔ تجھے خود اس کی ضرورت ہو اور تجھے محتاجی کا بھی ڈر ہو۔ اور غنا (کثرت مال دولت) کی امید ہو۔ اتنی دیر نہ کر کہ جان ہنسلی تک پہنچ جائے تو پھر کہے کہ اتنا فلاں کو دے دو اتنا فلاں کو دے دو حالانکہ وہ تو فلاں کا ہو چکا۔ (متفق علیہ)

وضاحت: صدقہ کرنے کا ثواب زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کو جینے کی خواہش ہو۔ زندگی کی امید ہو، ضروریات سامنے ہوں ورنہ موت کے وقت تو جب آدمی محسوس کرتا ہے کہ سب ہاتھوں سے نکلا چلا جا رہا ہے تو سب کچھ دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت دینے کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔

(۳۵) سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! سعد کی ماں فوت ہو گئی ہے۔ کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! پانی۔ پھر سعد نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا کہ یہ ام سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

وضاحت: اس سے معلوم ہوا کہ بہترین صدقہ کسی کو پانی پلانا ہے۔ مرنے کے بعد مسلمان میت کو مالی عبادات کے ذریعے ثواب پہنچایا جانا احادیث سے ثابت ہے۔ میت کی طرف سے کھانا پکا کر غرباء میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کسی مسجد یا مدرسے میں میت کی طرف سے تعاون بھی کیا جا سکتا ہے۔ میت کی طرف سے حج وعمرہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اولاد کے نیک اعمال کا اجر والدین کو خود بخود ملتا رہتا ہے۔ یہی ایصال ثواب کے ذرائع ہیں۔

(۳۶) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعض بیویوں نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ ہم میں سب سے پہلے آپ ﷺ سے کون ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ پھر وہ ایک چھڑی سے اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ تو سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب کے لمبے نکلے۔ جب سب بیبیوں میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا پہلے انتقال ہوا تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد خیرات کرنا تھا۔ وہ سب بیویوں میں آپ ﷺ سے پہلے ملیں۔ اور خیرات کرنا ان کو بہت پسند تھا۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

(۳۷) ابواسامہ نے ہشام سے روایت کی کہ حکیم بن حزام نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اور سو اونٹ لوگوں کو سواری کیلئے دیئے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو بھی انہوں

نے سو اونٹ سواری کے لیے دیئے اور سو غلام آزاد کیے۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں جو اچھے کام کیے کیا مجھے ان کا ثواب ملے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب تو اسلام لایا تو جتنے نیک کام پہلے کر چکا وہ سب قائم رہیں گے۔ (بخاری۔ کتاب العتق)

(۳۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص (سعد بن عبادہ) نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ میری ماں اچانک مرگئی۔ میں سمجھتا ہوں اگر وہ بات کرتی تو کچھ خیرات کرتی۔ اب اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو اس کو کچھ ثواب ملے گا۔ فرمایا۔ ہاں (بخاری۔ کتاب الجنائز)

مہمان کی تکریم لازم ہے:

(۳۹) ابو الاحوص جشمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! بتایئے اگر میں کسی شخص کے پاس جاؤں اور وہ حق مہمانی و ضیافت ادا نہ کرے پھر وہ شخص میرے پاس آئے تو کیا میں اس کی مہمانی کروں یا بدلہ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کی مہمانی کرو۔ (ترمذی)

(۴۰) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دو ہمسائے ہیں۔ ان میں کس کو ہدیہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس کا دروازہ ان دونوں میں سے زیادہ قریب ہے۔ (بخاری)

وضاحت: حق صلہ رحمی میں کئی ایک چیزیں ملحوظ رہنی چاہئیں۔ سب سے مقدم تقوی و پرہیز گاری ہے۔ دو ہمسایوں میں سے جو زیادہ متقی ہو اس سے زیادہ روابط کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر چہ وہ دوسرے کی نسبت دور ہو۔ اگر وہ دونوں پرہیز گاری میں برابر ہوں تو پھر جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اس کو ہدیہ دیا جائے۔ اگر دروازے بھی برابر ہوں تو پھر جو معمر اور بزرگ ہو اس کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہمسایہ اسلام کی طرف مائل ہو تو اس کا خاص خیال رکھا جائے۔ بہرحال پڑوسی کی حاجت مندی کو ملحوظ رکھ کر صلہ رحمی کی جائے۔

والدہ سب سے زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے:

(۴۱) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ کون حق دار ہے؟ فرمایا! تمہاری ماں، اس نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں، اس کے بعد کون ہے، فرمایا تمہاری ماں اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ، ایک روایت میں تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں، پھر احسان کر اپنے باپ سے، پھر احسان کر اپنے قرابت دار سے پھر اپنے قرابت دار سے۔ (بخاری۔ مسلم)

(۴۲) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میری مشرکہ ماں قریش اور نبی ﷺ کے درمیان صلح (یعنی صلح حدیبیہ) کے زمانہ میں (مدینہ) آئی اس کا باپ (یعنی میرا نانا) بھی ساتھ تھا میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا "میری ماں آئی ہے اور اسے اسلام سے سخت نفرت ہے۔ (اس کے ساتھ کیا سلوک کروں؟)" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اپنی ماں سے صلہ رحمی کر۔" (بخاری)

(۴۳) سیدابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا وہ دونوں تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں۔ (ابن ماجہ)

وضاحت: یعنی ان کی خدمت واطاعت سے ہی جنت میں داخلہ ممکن ہے وگرنہ معاملہ برعکس ہوگا۔

۞ ۞ ۞

(۴۴) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوحبیش کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ ﷺ! میں ایسی عورت ہوں جس کو استحاضہ ہے۔ پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نماز مت چھوڑ۔ یہ ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ پھر جب تیرے معمول کے حیض کے دن آئیں تو نماز نہ پڑھ۔ جب وہ دن گزر جائیں۔ تو خون (اپنے بدن اور کپڑے سے) دھو ڈال پھر نماز پڑھ۔ اور ہر نماز کیلئے وضو کرتی رہ یہاں تک کہ پھر حیض کے دن آئیں۔ (بخاری۔ کتاب الوضو۔ کتاب الحیض)

غسل جنابت:

(۴۵) ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اللہ سچی بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت کو احتلام ہو تو اس کو بھی نہانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں بے شک۔ جب وہ (جاگ کر) منی دیکھے۔ (بخاری۔ کتاب الغسل)

(۴۶) ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا' اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سر کے بال سخت گوندھتی ہوں کیا میں غسل جنابت کیلئے انہیں کھول دیا کروں' فرمایا نہیں تمہارے لیے کافی ہے کہ سر پر تین دفعہ پانی ڈال کر پھر باقی جسم پر پانی بہالو اور پاک ہو جاؤ۔ (مسلم)

وضاحت: جنابت کے غسل میں ضروری ہے کہ ہر ایک بال جڑ تک بھیگ جائے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا مجھے سر کے بال کھولنے چاہئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا' نہیں اتنا کافی ہے کہ تین لپ بھر کر پانی سر پر ڈالو' پھر جو بھیگ گیا سو بھیگ گیا' اگر کوئی بال خشک بھی رہ گیا تو اللہ سے معافی کی امید ہے۔ البتہ مردوں کو غسل جنابت میں بہت احتیاط کرنا چاہیے کہ ان کے جسم کا بال بال جڑ تک بھیگ جائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس احتیاط کے پیش نظر سر کے بال بہت چھوٹے رکھتے تھے۔

(۴۷) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ کیا ہم میں سے کوئی جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ جب وضو کرے تو جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب الغسل)

❁ ❁ ❁

نماز کے مسائل

(۴۸) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (بھول کر) ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھ لیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! کیا نماز بڑھ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا! آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ پلٹے اور (سہو کے) دو سجدے کیے۔ (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ)

(۴۹) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم نے ہمیں ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر سلام پھیرا۔ تو ذوالیدین کہنے لگا نماز کا کیا حال ہے یا رسول اللہ ﷺ! کیا نماز کم ہوگئی۔

آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں۔ تب آپ ﷺ نے دو رکعتیں اور پڑھیں۔ پھر دو سجدے کیے۔ سعد نے کہا۔ میں نے دیکھا کہ عروہ بن زبیر نے مغرب کی دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ باتیں بھی کیں۔ (لوگوں کے بتانے پر) باقی ایک رکعت پڑھی اور دو سجدے کیے اور کہنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ (بخاری۔ ابواب السہو فی الصلوٰۃ)

(۵۰) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک شخص آیا اور نماز پڑھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ جا پھر نماز پڑھ۔ وہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھی تھی۔ پھر آیا اور نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جا نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر اس نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ مجھے سکھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تو جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ اکبر کہہ۔ پھر جو قرآن آسانی سے پڑھ سکے۔ پھر اطمینان کے ساتھ رکوع پھر سر اٹھا سیدھا کھڑا ہو جا۔ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر۔ پھر سجدے سے سر اٹھا۔ اطمینان کے ساتھ بیٹھ (پھر دوسرا سجدہ کر) اسی طرح ساری نماز پڑھ۔ (بخاری۔ کتاب الاذان)

(۵۱) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! رات کی نماز (تہجد) کیسے پڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دو دو رکعت کر کے جب صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کر سب کو طاق بنا لے۔ (بخاری۔ کتاب التہجد)

(۵۲) عمران بن حصین جنہیں بواسیر کی بیماری تھی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے وہ افضل ہے جو بیٹھ کر پڑھے اس کو کھڑے ہونے والے کا آدھا ثواب ملے گا۔ اور جو لیٹ کر پڑھے اس کو بیٹھنے والے کا آدھا ثواب ملے گا۔ (بخاری۔ ابواب تقصیر الصلوٰۃ)

(۵۳) سیدہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے ایک یہودن عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوال کرتی ہوئی آئی اور دعا دینے لگی۔ اللہ تم کو قبر کے عذاب سے بچائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ کیا قبر میں لوگوں کو عذاب ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ اس

سے بچائے رکھے۔ پھر ایک دن صبح کو آپ سواری پر سوار ہوئے اسی دن سورج گہن ہوا۔ آپ دن چڑھے لوٹ آئے اور اپنی زوجات کے حجروں کے درمیان سے گذرے پھر کھڑے ہو کر گہن کی نماز پڑھنے لگے۔ لوگ بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ بڑی دیر تک کھڑے رہے۔ پھر لمبا رکوع کیا۔ سر اٹھایا اور دیر تک کھڑے رہے۔ پھر بڑی دیر تک رکوع کیا مگر پہلے رکوع سے کم۔ رکوع سے سر اُٹھایا اور لمبا سجدہ کیا۔ دونوں سجدے کر کے دیر تک کھڑے رہے۔ پھر پہلی دفعہ سے کم لمبا رکوع کیا۔ پھر دیر تک کھڑے رہے اور پہلی دفعہ سے کم لمبا رکوع کیا۔ پھر سجدہ کیا پہلے سجدوں سے کم۔ نماز سے فارغ ہو کر جو اللہ نے چاہا لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ پھر ان کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ (بخاری کتاب الکسوف)

وضاحت: بخاری۔ کتاب الجنائز میں ہے عذاب القبر حقٌ یعنی قبر کا عذاب برحق ہے۔ نبی اکرم ﷺ اکثر قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ نماز کسوف کی ہر رکعت میں دو قیام، دو رکوع اور دو ہی سجدے سنت سے ثابت ہیں۔

(۵۴) ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ سب سے پہلے زمین میں کونسی مسجد بنائی گئی۔ فرمایا۔ مسجد حرام۔ میں نے پوچھا۔ پھر کونسی مسجد فرمایا۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نے پوچھا۔ دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ فرمایا۔ چالیس سال۔ پھر فرمایا۔ جہاں تجھے نماز کا وقت آ جائے۔ وہاں نماز پڑھ لے۔ نماز پڑھنے میں بڑی فضیلت ہے۔ (بخاری۔ کتاب بدالخلق)

(۵۵) ابوحمید ساعدی سے روایت ہے۔ لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں۔ فرمایا۔ یوں کہو۔ اللھم صل علی محمد وازواجه وذریته کما صلیت علی ال ابراهیم وبارک علی محمد و ازواجه و ذریته کما بارکت علی آل ابراهیم انک حمید مجید اے اللہ۔ محمد ﷺ۔ ان کی بیویوں اور اولاد پر رحمت بھیج جیسے تو نے ابراہیم کی اولاد پر رحمت بھیجی اور محمد اور ان کی بیویوں اور اولاد پر اپنی برکت نازل فرما جیسے تو نے ابراہیم کی اولاد پر برکت اتاردی۔ بے شک تو خوبیوں والا اور بڑائی والا ہے۔ (بخاری۔ کتاب بدالخلق)

(۵۶) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص نماز جنازہ پڑھے اس کو ایک قیراط ثواب ہوگا اور جو دفن تک شریک رہے اس کو دو قیراط ملیں گے۔ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا۔ دو قیراط کتنے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دو بڑے

پہاڑوں کی طرح۔ (بخاری۔ کتاب الجنائز)

(۵۷) سیدنا عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ میری ماں مرگئی۔ اس پر ایک مہینے کے روزے ہیں۔ کیا اس کی طرف سے قضا رکھوں آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں اللہ کا قرض ضرور ادا کرنا چاہیے۔ (بخاری۔ کتاب الصوم)

سفر میں روزہ:

(۵۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عمرو الاسلمی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا۔ کیا میں سفر میں روزہ رکھ لیا کروں' اور یہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر چاہو تو رکھ لو اور چاہو تو نہ رکھو۔ (بخاری۔ کتاب الصوم)

وضاحت: اگر سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہو تو روزہ رکھ لینے کی اجازت ہے۔ لیکن تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ افطار کرنا روزہ رکھنے سے زیادہ بہتر ہے۔

غلط نذر پوری نہ کرنی چاہیے:

(۵۹) سیدنا عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی بہن کا حال پوچھا کہ اس نے ننگے پاؤں ننگے سر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ فرمایا! اس کو حکم دو کہ سر ڈھانپے اور سوار ہو اور چاہیے کہ تین دن روزے رکھے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

وضاحت: خود ساختہ تکلیف اٹھانے سے حج کا ثواب زیادہ نہیں ملتا۔ نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دس محتاجوں کو دو وقت کھانا کھلائے یا لباس پہنائے' یا غلام آزاد کرے' اگر یہ نہ کر سکے تین روزے رکھے۔ (المائدہ)

عورتوں کا جہاد:

(۶۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا' یا رسول

اللہ ﷺ! کیا عورتوں پر بھی جہاد فرض ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، ان پر ایسا جہاد فرض ہے، جس میں لڑائی نہیں ہے یعنی حج اور عمرہ۔ (ابن ماجہ)

(۶۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا، احرام والا کون کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم قمیض، پگڑی، شلوار، کوٹ اور موزے نہ پہنو، ہاں اگر کسی آدمی کو جوتا نہ مل سکے تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے۔ کوئی کپڑا زعفرانی یا زرد رنگ کا نہ پہنو (متفق علیہ) بخاری نے ایک روایت میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ احرام والی عورت نقاب نہ پہنے اور نہ ہی دستانے پہنے۔

وضاحت: عورت احرام میں منہ پر نقاب نہ ڈالے اگر کوئی غیر مرد سامنے آئے تو منہ دوسری طرف کرے یا چہرے کے آگے کوئی کپڑا کرے۔ مرد عورت دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنا چاہئیں۔

صاحب استطاعت اگر حج نہ کر سکے تو وارث کو حج کرنا چاہیے:

(۶۲) ابورزین رضی اللہ عنہ عقیلی سے روایت ہے۔ اس نے نبی اکرم ﷺ سے آکر سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول! میرا باپ بہت ہی بوڑھا ہے۔ وہ حج اور عمرے کی طاقت نہیں رکھتا نہ ہی سفر کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا، تو اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

وضاحت: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاجز، بیمار اور کمزور کی طرف سے اولاد یا کوئی دوسرا حج کر سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس نے پہلے اپنا فرضی حج کیا ہو۔ تب وہ حج بدل کر سکتا ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں شبرمہ کی طرف سے حج کا ذکر ہے۔

(۶۳) عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ منیٰ میں ٹھہرے تاکہ لوگ آپ ﷺ سے (دین کے مسائل) پوچھیں۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ مجھے خیال نہیں رہا۔ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈا لیا۔ آپ نے فرمایا۔ اب قربانی کر لے کچھ مضائقہ نہیں۔ ایک آیا اور کہنے لگا۔ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اب کنکریاں مار لے کچھ مضائقہ نہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو نے کہا اس دن نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کسی نے کوئی کام آگے پیچھے کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب کر لو۔ کچھ حرج نہیں۔ (بخاری۔ کتاب العلم)

(۶۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ کیا حطیم خانہ کعبہ میں داخل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا پھر لوگوں نے اس کو کعبے میں

کیوں شریک نہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تیری قوم کے پاس روپیہ کم تھا۔ میں نے پوچھا کعبے کا دروازہ اونچا کیوں بنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس لیے کہ تیری قوم کے لوگ جس کو چاہیں اندر آنے کی اجازت دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ ابھی تازہ نہ ہوتا اور ان کے دل بگڑ جانے کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں حطیم کو کعبے کے اندر شریک کر دیتا اور کعبے کا دروازہ زمین سے لگا ہوا بنا تا۔ (بخاری۔ کتاب المناسک)

۞ ۞ ۞

مسائل جہاد

شہید کا درجہ:

(۶۵) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے غزوہ احد کے دن نبی اکرم ﷺ سے کہا، اگر میں مارا جاؤں تو کہاں ہوں گا۔ فرمایا جنت میں۔ اس آدمی کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں اس نے پھینک دیں۔ پھر اس نے قتال کیا حتی کہ مارا گیا۔ (متفق علیہ)

وضاحت: اس نے کھجور کھانے کی بھی تاخیر برداشت نہ کی۔ جنت اور شہادت کے شوق میں خوب جم کے لڑا اور اپنے مقصد کو حاصل کر لیا۔

قرض شہید کو بھی معاف نہیں:

(۶۶) سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! بتایئے اگر میں اللہ تعالیٰ کے رستے میں قتل ہو جاؤں، صبر کرتا ہوا، ثواب کی امید رکھتا ہوا، آگے بڑھتا ہوا نہ کہ پیچھے ہٹنے والا، تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر دے گا یا نہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، ہاں، جب وہ مڑ کے جانے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو آواز دی۔ فرمایا، قرضہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کر دے گا۔ جبرائیل نے اسی طرح کہا ہے۔

وضاحت: مقروض آدمی جب تک قرضہ کی ادائیگی نہ کرے اس کی بخشش نہیں ہے۔ شروع میں نبی اکرم ﷺ مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا کرتے تھے۔

(۶۷) ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ کونسا لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔ کیونکہ کوئی ہم میں سے کوئی غصے کی وجہ

سے لڑتا ہے کوئی (قومی یا ملکی) حمیت کی وجہ سے لڑتا ہے۔ آپ نے اس کی طرف سر اٹھایا۔ کیونکہ وہ کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اس لیے لڑے کہ اللہ کا بول بالا ہو۔ تو وہ لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔ (بخاری۔ کتاب العلم)

(۶۸) انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ نبی اکرم کبھی کبھی ام حرام بنت ملحان (انس کی خالہ۔ ام سلیم کی بہن) کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے خاوند عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت) تھے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کھانا کھلایا اور آپ کے سر میں جوئیں دیکھنے لگیں۔ آپ ﷺ سو گئے اور ہنستے ہوئے جاگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں اپنی امت کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ سمندر کے بیچ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اس طرح سوار ہیں گویا تختوں پر بادشاہ ہیں۔ میں نے کہا۔ یارسول اللہ! دعا فرمایئے اللہ مجھے بھی ان میں شریک کرے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی پھر اپنا سر رکھ کر سو گئے پھر ہنستے ہوئے جاگے۔ میں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میری امت کے کچھ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کو جا رہے تھے اس طرح میرے سامنے لائے گئے جیسے پہلے بیان ہوا۔ یعنی جیسے بادشاہ تختوں پر سوار ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمایئے اللہ مجھے بھی ان میں شریک کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تو پہلے لوگوں میں شریک ہو چکی۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایسا ہوا کہ ام حرام (اپنے خاوند عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ) سمندر میں سوار ہوئیں۔ جب سمندر سے اترنے لگیں تو سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر)

وضاحت: یہ روم کے عیسائیوں کی طرف پہلا جہاد تھا۔

(۶۹) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ میں کافروں سے لڑوں یا پہلے مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا مسلمان ہو پھر لڑ۔ خیر وہ مسلمان ہو گیا۔ لڑائی کی یہاں تک کہ مارا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دیکھو اس نے عمل تھوڑا کیا اور ثواب بہت پایا۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر)

(۷۰) سیدنا انس بن مالک سے روایت ہے کہ ام ربیع رضی اللہ عنہا بنت براء نبی اکرم ﷺ کے

پاس آئی اور کہنے لگی۔ یا رسول اللہ ﷺ فرمائے (میرا بیٹا) حارثہ رضی اللہ عنہ کہاں ہے۔ اور حارثہ بدر کے دن مارے گئے تھے۔ ان کو نا گہانی تیر لگا۔ اگر وہ بہشت میں ہے تو مجھے صبر آ جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ حارثہ رضی اللہ عنہ کی ماں! جنت میں تو درجہ بدرجہ کئی باغ ہیں اور تیرا بیٹا تو سب سے اعلیٰ جنت الفردوس میں ہے۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد والسیر)

رضاعت کے مسائل:

(۷۱) عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ عقبہ رضی اللہ عنہ بن حارث نے ابواہاب بن عزیز کی بیٹی غنیّہ سے نکاح کیا۔ ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عقبہ اور اس کی دلہن غنیّہ کو دودھ پلایا ہے۔ عقبہ کہنے لگا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے نہ تو نے پہلے مجھ سے اس کا ذکر کیا؟ وہ سوار ہو کر مدینہ آیا اور آ کے نبی اکرم ﷺ سے پوچھنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو (اس عورت سے اب) کیسے صحبت کرے گا۔ جب ایسی بات کہی گئی (کہ وہ تیری بہن ہے) آخر عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کر لیا۔ (بخاری۔ کتاب العلم۔ کتاب الشھادات۔ کتاب البیوع)

(۷۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک مرد کی آواز سنی جو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانے کی اجازت چاہتا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ۔ یہ کوئی مرد ہے جو آپ ﷺ کے گھر میں جانا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں فلاں شخص ہے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا۔ دودھ سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو خونِ (نسب) سے حرام ہوتے ہیں۔ (بخاری۔ کتاب الجھاد والسیر)

۞ ۞ ۞

گری پڑی چیز کا حکم:

(۷۳) عمرو بن شعیب اپنے باپ کے ذریعے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا' آپ ﷺ نے فرمایا' جو آدمی ضرورت مند ہو

اور جھولی میں ڈال کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، جو ساتھ لے کر چلے تو اس پر دگنی قیمت ہے اور سزا بھی ہے۔ جو آدمی ڈھیر (کھلیان) لگ جانے کے بعد اس سے چرائے اور اس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت تک پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

آپ ﷺ سے گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! جو شارع عام اور بستی کے قریب ہو تو ایک سال تک اس کا اعلان کر، اگر اس کا مالک مل جائے تو اس کے سپرد کر دے، اگر نہ ملے تو وہ چیز تیری ہے، جو چیز بے آباد اور ویران جگہ سے ملے تو اس میں پانچواں حصہ ہے۔ (نسائی)

(۷۴) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو ایک دینار ملا، آپ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئے اور نبی اکرم ﷺ سے اس بارے سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ اللہ کا رزق ہے، اس سے رسول اکرم ﷺ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی کھایا اس کے بعد ایک عورت یہ دینار ڈھونڈتی ہوئی آئی تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اے علی رضی اللہ عنہ! اس کو دینار ادا کر دو۔ (ابوداؤد)

(۷۵) سیدنا زید رضی اللہ عنہ بن خالد سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اکرم ﷺ سے آ کر گری پڑی چیز کے بارے سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اس کے برتن کو خوب یاد رکھ اور سر بند پہچان لے پھر اس کو ایک سال تک مشہور کر۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو دے دے ورنہ تو جان اور تیرا کام، اس نے کہا، بھولی بھٹکی جنگل میں بکری ہو تو اس کا کیا حکم ہے، فرمایا! وہ تیری ہے، تیرے کسی بھائی کی یا بھیڑیے کی، پھر اس نے کہا، بھٹکے ہوئے اونٹ کا کیا حکم ہے، فرمایا! تجھے اس سے کیا غرض؟ اس کی مشک اور موزے اس کے ساتھ ہیں وہ پانی پر چلا جائے گا۔ درختوں کے پتے کھا لے گا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو ڈھونڈ لے گا۔ (متفق علیہ)

❁ ❁ ❁

فضائل قرآن

(۷۶) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! دلوں کو بھی اس

طرح زنگ لگتا ہے جیسے بھیگے ہوئے لوہے کو زنگ لگتا ہے۔ سوال کیا گیا، اس کا چمکنا کس طرح ہے؟ فرمایا! موت کو زیادہ یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت سے۔ (بیہقی)

(۷۷) ایفع بن عبدالکلاعی نے کہا، ایک آدمی نے رسول اکرم سے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ، قرآن کی سب سے عظیم سورت کونسی ہے؟ فرمایا! قل هو الله احد، اس نے کہا، قرآن کی سب سے عظمت والی آیت کون سی ہے، فرمایا! آیت الکرسی، کہنے لگا! اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ کونسی آیت کو پسند کرتے ہیں، کہ وہ آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو مل جائے فرمایا! سورۃ بقرہ کی آخری آیت، وہ اللہ کی رحمت کے ان خزانوں میں سے ہے جو اللہ کے عرش کے نیچے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اس امت کو بخشی ہے، یہ آیت دین و دنیا کی تمام بھلائیوں پر مشتمل ہے۔ (دارمی)

۞ ۞ ۞

متفرق مسائل

(۷۸) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے پوچھا تو مجھے حکم دیا کہ میں جلد ہی نظر ہٹا لوں۔ (ترمذی)

وضاحت: غیر محرم کو دیکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اچانک نظر پڑنے پر فوراً نظر ہٹا لینی چاہیے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ایک نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو۔ پہلی نظر تو تمہیں معاف ہے لیکن دوسری معاف نہیں۔ یعنی اتفاقی نگاہ پڑنے پر فوراً نظر ہٹا لینی چاہیے۔

قیامت کے دن کی سختیاں:

(۷۹) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا، کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تین جگہوں پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

(۱) میزان یہاں تک کہ وہ اس کا ہلکا یا بھاری ہونا جان لے۔

(۲) نامہ اعمال کی تقسیم کے وقت حتیٰ کہ وہ جان لے کہ اس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا بائیں میں یا پیچھے سے۔

(۳) پل صراط کے پاس جب کہ وہ جہنم کے دونوں کناروں پر رکھا جائے گا حتی کہ وہ اس پر سے گزر جائے۔ (ابوداؤد)

جہنم کی گرمی:

(۸۰) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ سے 70 حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! دنیا کی آگ (جلانے کے لیے) کافی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دوزخ کی آگ 69 حصے اس سے زیادہ گرم ہے۔ ہر حصہ دنیا کی آگ کے برابر (گرم ہے)۔
(بخاری۔ کتاب بدء الخلق)

مومن کیلئے ہر حالت میں بھلائی ہے:

(۸۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے طاعون کے متعلق پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک عذاب ہے جس پر اللہ چاہے اسکو بھیج دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنوں کیلئے رحمت بنا دیا ہے۔ جب طاعون پھیل جائے اور کوئی آدمی صبر اور ثواب کی نیت سے اپنے شہر میں ہی ٹھہرا رہے اور یہ سمجھے کہ اس کو صرف وہی تکلیف پہنچے گی جو اللہ نے اس کی قسمت میں لکھی ہے۔ تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (بخاری)

وضاحت: ان کو شہادت کا مرتبہ بہت زیادہ درد والم اٹھانے کی وجہ سے ملتا ہے دنیا میں ان کے احکام شہید فی سبیل اللہ سے علیحدہ ہیں۔ ان کو غسل اور کفن دیا جائے گا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی جائیگی۔ البتہ آخرت میں شہیدوں کے زمرہ میں ہی اٹھایا جائے گا۔

نیک آدمی کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے:

(۸۲) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا۔ سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے۔ فرمایا! انبیاء پر، پھر جوان کے مشابہ ہیں۔ پھر جو ان کے مشابہ ہیں۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو تو آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر دین میں نرم ہو تو آزمائش بھی نرم ہوتی ہے۔ مومن سے اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک وہ زمین میں اس حال میں چلتا ہے کہ اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہ جاتا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

سب سے اچھی کمائی:

(۸۳) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا' سب سے اچھی کمائی کون سی ہے۔ فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر نیک اور اچھی تجارت۔ (احمد)

اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے:

(۸۴) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے عزل (بروقت نطفہ کو باہر ڈال کر ضائع کر دینا) کے بارے پوچھا گیا' فرمایا! ہر آب منی سے بچہ نہیں ہوتا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی۔ (مسلم)

وضاحت: عورت کی جسمانی صحت یا اولاد کی مناسب تربیت نہ ہونے کی وجہ سے عزل جائز ہے۔ ایک دوسری جگہ پر آپ ﷺ نے اس کام کو وادخفی یعنی پوشیدگی سے اولاد کو مار دینا قرار دیا ہے یعنی بحالت مجبوری جواز ہے۔ اگر آدمی بچ جائے تو بہتر ہے۔

نومولود کی طرف سے عقیقہ:

(۸۵) حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے خواہ وہ نر ہو یا مادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' (ترمذی)

(۸۶) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس سال حج وداع ہوا (یعنی ۱۰ھ) نبی اکرم مکہ میں میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ میری بیماری زیادہ ہو گئی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری بیماری تو اس درجہ کو پہنچ گئی (اب بچنے کی امید کم ہے) اور میری وارث صرف ایک لڑکی ہے۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ میں نے کہا آدھا۔ فرمایا۔ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تہائی مال خرچ کرنا کافی ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جائے تو یہ بہتر ہے یا محتاج چھوڑے کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں۔ تو اللہ کی رضامندی کے لئے جو خرچ کرے گا۔ چاہے تھوڑا ہو اس پر ثواب پائے گا۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی پر خرچ کرنے پر بھی اجر پائے گا۔ (بخاری۔ کتاب الجنائز۔ کتاب الوصایا)

اہل کتاب کے برتن استعمال کرنا:

(۸۷) ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! ہم سفر میں یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے ہاں گذرتے ہیں‘ ہم ان کے برتنوں کے علاوہ اور برتن نہیں پاتے‘ فرمایا! اگر ان کے علاوہ برتن نہ ملیں تو ان کو دھو کر اس میں کھاؤ اور پیو۔ (ترمذی)

(۸۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے ورقہ بن نوفل کا حال پوچھا گیا‘ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے کہا کہ وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے۔ لیکن اعلان نبوت سے پہلے فوت ہو گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے کہا‘ مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے ان پر سفید کپڑے تھے۔ اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتے تو ان پر اور طرح کے کپڑے ہوتے۔ (احمد۔ ترمذی)

وضاحت: مشرک کیلئے کوئی بخشش نہیں ہے‘ ابوطالب نبی اکرم ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے‘ ساری عمر جان و مال سے ان کی مدد کی‘ مگر کلمہ نہ پڑھا‘ آخر کار نبی اکرم ﷺ سے حسن سلوک کی وجہ سے جہنم کا سب سے ہلکا عذاب ہوگا اس کے برعکس ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی‘ اللہ کے فضل و کرم سے جنتی ٹھہرے۔

انبیاء کا پیشہ:

(۸۹) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ نے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ آپ نے بھی چرائیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ میں بھی چند قیراط تنخواہ پر مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔
(بخاری۔ کتاب الاجارات)

شوہر کا مال بغیر اجازت لینا:

(۹۰) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوسفیان کی بیوی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے۔ کیا میں اس کا روپیہ لے کر اپنے بال بچوں کو کھلاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کچھ قباحت نہیں۔ تو دستور (ضرورت) کے مطابق لے سکتی ہے۔ (بخاری۔ کتاب المظالم)

اسلام خیر خواہی کا دین:

(۹۱) سیدنا ابورقیہ تمیم رضی اللہ عنہ بن اوس داری سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا‘

دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کس کی خیر خواہی فرمایا۔ اللہ کی۔ اس کی کتاب کی۔ اس کے رسول کی مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی۔ (مسلم)

(۹۲) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ ﷺ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کبھی تو وحی کے وقت گھنٹی کی طرح آواز آتی ہے جو مجھے بہت گراں گزرتی ہے۔ جب وحی ختم ہوتی ہے تو اس کے الفاظ میری زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں آ کر مجھ سے کلام کرتا ہے۔ اور میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں نے دیکھا کہ شدید سردی کے موسم میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی۔ جب وحی کا سلسلہ رکتا تو آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا۔" (بخاری)

وضاحت: جب فرشتہ انسانی شکل میں آتا تو اکثر سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتا تھا۔ کبھی فرشتہ اپنی اصلی صورت میں بھی سامنے آتا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ. (الشوریٰ: ۵۱)

❁ ❁ ❁

ہبہ اور وقف

(۹۳) زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے ایک مجاہد کو اللہ کی راہ میں گھوڑا دیا۔ اس نے اس کو خراب (کمزور) کر دیا۔ میں نے اس کو خریدنا چاہا۔ میں سمجھا وہ ارزاں بیچ دے گا۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ ایک روپے کا بھی دے تو بھی مت خریدو۔ کیونکہ صدقہ دے کر پھر واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر چاٹ جاتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب الھبۃ)

❁ ❁ ❁

حدود و تعزیرات

(۹۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدو نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ۔ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کر دیجئے۔ پھر فریق ثانی اٹھا اور کہنے لگا سچ

ہے ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دیں۔ اب اس بدو نے بیان کیا۔ میرا بیٹا اس شخص کے پاس نوکر تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ لوگ کہنے لگے کہ تمہارا بیٹا سنگسار ہو گا۔ میں نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کو دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا۔ پھر میں نے علم والوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی ہے۔ (کیونکہ وہ غیر شادی شدہ تھا) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور لونڈی تجھے واپس ملیں گی۔ تیرے بیٹے پر سو کوڑے پڑیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی ہوگی۔ اے انیس! کل تو ایسا کر اس شخص کی بیوی کے پاس جا۔ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو رجم کر۔ انیس دوسرے دن اس کے پاس گیا۔ اور (اقرار کے بعد) اس کو رجم کیا۔ (بخاری۔ کتاب الصلح کتاب الشروط)

❁ ❁ ❁

مثالی بیوی کی خصوصیات

(۹۵) رسول اللہ ﷺ جب نکاح کے بعد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گھر لائے تو ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا اللہ کے رسول! آپ ﷺ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا! مجھ کو تم سے اس قدر مضبوط اور گہری محبت ہے جس طرح رسی کی گرہ مضبوط ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ اس کے بعد میں کبھی کبھی پوچھ لیا کرتی۔ اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کی محبت کی گرہ کس حال میں ہے؟ رسول اللہ ﷺ مسکرا کر جواب دیتے۔ بہت اچھے حال میں ہے۔ اس میں کوئی کمزوری نہیں آئی۔

(۹۶) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! بہترین عورت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! وہ عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے۔ جب کسی بات کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ نیز عورت کی جان اور مال کے معاملے میں شوہر جس چیز کو ناپسند کرے اس میں اس کی مخالفت نہ کرے۔ (نسائی)

سوکن کو تنگ کرنا جائز نہیں:

(۹۷) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا "میری ایک سوکن ہے اگر میں اس کا دل جلانے کے لئے جھوٹ موٹ کہوں کہ میرے خاوند نے مجھے فلاں فلاں چیزیں دی ہیں تو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص ایسی چیزیں ملنے کا دعویٰ کرے جو درحقیقت اسے نہیں ملیں وہ شخص جھوٹ کے دو کپڑے اوڑھنے والا ہے۔" (بخاری)

بیوی پر خواہ مخواہ شک کرنا منع ہے:

(۹۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! میری بیوی نے کالے رنگ کا بچہ جنا ہے جس سے میں نے انکار کر دیا ہے؟" نبی اکرم ﷺ نے اس دیہاتی سے دریافت کیا "کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟" دیہاتی نے عرض کیا "ہاں!" نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا "کیا ان میں کوئی خاکستری بھی ہے؟" دیہاتی نے عرض کیا "ہاں!" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "وہ کہاں سے آ گیا؟" دیہاتی نے عرض کیا "شاید اونٹ کی اوپر والی نسل میں سے کوئی اونٹ کالے رنگ والا ہو۔" تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "یہاں بھی شاید یہی معاملہ ہو کہ اوپر والی نسل میں سے کسی کا رنگ آ گیا ہو۔ (یعنی تمہارا انکار درست نہیں)" (مسلم)

❁ ❁ ❁

نبی اکرم ﷺ کا مثالی توکل

(۹۹) ایک غزوہ سے واپسی پر نبی اکرم ﷺ ایک جگہ پر آرام کے لیے رکے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی۔ اس حالت میں لیٹا دیکھ کر دشمن (غورث بن الحارث) آیا اور تلوار پکڑ کر بڑی گستاخی سے آپ کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ رسول اکرم ﷺ بڑی اطمینان کے ساتھ مسکراتے ہوئے بولے "اللہ" یہ سنتے ہی اس پر دہشت طاری ہوگئی اور کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے جلدی

سے اٹھا لی اور فرمایا! اب تو بتا تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا وہ پریشان ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔ (بخاری)

۞ ۞ ۞

وہ سوالات جو آپ ﷺ کی نبوت کے امتحان کیلئے کیے گئے

(۱۰۰) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سلام (یہود کے بڑے عالم) نے نبی اکرم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر اس وقت سنی جب وہ باغ کا میوہ چن رہے تھے۔ وہ اسی وقت نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے میں آپ ﷺ سے تین ایسی باتیں پوچھتا ہوں۔ جنہیں پیغمبر کے سوا کوئی نہیں جانتا' بھلا بتایئے قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ بہشتی لوگ بہشت میں جا کر پہلے کیا کھائیں گے؟ بچہ اپنے ماں یا باپ سے شکل میں کیوں ملتا ہے؟ نبی اکرم ﷺ فرمانے لگے' مجھے ابھی ابھی جبریل نے یہ باتیں بتائیں ہیں۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے' جبرئیل علیہ السلام نے؟ نبی رحمت نے فرمایا! ہاں' عبداللہ بن سلام نے کہا' وہ تو سارے فرشتوں میں یہودیوں کا دشمن ہے' اس وقت آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿من كان عدوا لجبريل فانه نزله على قلبك﴾ (البقرہ: ۹۷)

پھر فرمایا۔ قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب لے جائے گی' پہلا کھانا جو جنتیوں کو ملے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہو گا۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو بچہ کو اپنی صورت پر کر لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہوتا ہے تو بچہ عورت کی صورت پر ہوتا ہے۔ یہ جواب سن کر عبداللہ بن سلام نے کہا' میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

۞ ۞ ۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ فکر وعمل

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (٦٩:٢٩)

(جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی۔ ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے اور اللہ تو نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔)

آج کل اکثر والدین اپنی اولاد کے رشتوں کے لیے پریشان نظر آتے ہیں۔ اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ پریشانیاں زیادہ ہماری خود ساختہ ہیں۔ خطبہ نکاح میں قرآن مجید کی جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ تینوں آیات ہمیں تقویٰ کی تاکید کرتی ہیں۔ تقویٰ ایک ایسا فصیح و بلیغ لفظ ہے جو ہمیں جلوت، خلوت، دن رات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی برضا ورغبت اطاعت اور فرمانبرداری کا درس دیتا ہے۔ مگر ہماری شادیوں پر تقویٰ کی بجائے اللہ تعالیٰ سے بے ڈر ہو کر ایسی رسومات اور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جو سنت سے متجاوز اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال و دولت کی وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، خوبصورتی یا دین داری کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔ دیندار عورت سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر۔ (بخاری)

شادی بیاہ کے سلسلہ میں سب سے پہلی خرابی تو گھر سے ہی شروع ہوتی ہے۔ لوگ بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ تو بنا دیتے ہیں مگر بعد میں ان کے ہم پلہ رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب لڑکی شادی کی عمر سے تجاوز کر جاتی ہے تو بعض اوقات جلدی کے لیے اور کچھ مادہ پرستی کے چکر میں اپنی بیٹیوں کو بے دین یا بدعتی گھرانوں میں بیاہ دیتے ہیں۔ پھر آتش بازی

اور بینڈ باجے کے ساتھ لمبی لمبی باراتیں آتی ہیں۔ زرق برق لباس پہنے بے حجاب عورتیں' بری کی نمائش اور جگہ جگہ ویڈیو فلم بنتی نظر آتی ہے۔ دونوں گھرانے بڑھ چڑھ کر مال و دولت کی نمائش کرتے ہیں۔

اب سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے چار بیٹیوں کی شادی کی۔ اپنے گیارہ نکاح کیے۔ کہیں بھی ہمیں لمبی چوڑی بارات' جہیز' بری کا تصور نہیں ملے گا۔ ہاں البتہ ولیمہ ہوتا تھا وہ بھی مختصر سا۔ لڑکی والوں کی طرف سے زیادہ حق مہر باندھنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ جبکہ حق مہر کا تعین دولہا کی مالی حالت کے مطابق ہونا چاہیے اور کم حق مہر مقرر کرنا افضل ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر زعفران کا رنگ دیکھا۔ پوچھا' یہ کیا؟ عرض کیا۔ میں نے نکاح کیا ہے۔ پوچھا۔ کتنے مہر پر؟ عرض کیا۔ کھجور کی گٹھلی برابر سونے پر۔ آپ نے فرمایا۔ ولیمہ کرو۔ اگر چہ ایک بکری ہی ہو۔ (بخاری) آج کل اگر کسی کو شادی بیاہ پر دعوت نہ دی جائے تو سخت ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اگر صاحب خانہ کو دعوت دی جائے تو سوال ہوتا ہے کہ میرے اہلِ وعیال کو کیوں نہیں بلایا گیا؟

شادی سے قبل تیل' مہندی اور شادی کے بعد مکلاوے یہ سب رسم ورواج صرف روپے پیسے کا ضیاع اور دوسروں کو اپنی امارت دکھانا مقصود ہوتا ہے۔ جو کہ سراسر اسراف اور فضول خرچی ہے۔ یہ مال و دولت ہمارے پاس اللہ کی نعمت ہے جس کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا! ہر امت کی ایک آزمائش ہے اور میری امت کی آزمائش مال میں ہے۔ (ترمذی) جبکہ دوسری حدیث میں فرمایا اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً وہ نکاح بڑا بابرکت ہے جو محنت میں آسان ہو۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے جس میں اخراجات کم ہوں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے موقعہ پر ایک دوسرے کو ہدیہ دینا باہمی تعاون کا ایک اچھا انداز ہے۔ مگر اس میں خرابی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہدیہ دینے والا اسے قرض کے طور پر دیتا ہے اور لینے والا بھی اپنے ذمہ قرض سمجھتا ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اگر کوئی ہدیہ دیتا تو آپ اسے بہتر ہدیہ پیش کرتے۔ اگر اس کو ہدیہ ہی سمجھا جائے تو قابل تحسین ہے اگر اس کو نیوتہ یا نیوندرا تصور کیا جائے کہ ہر صورت میں بڑھ کر واپس کرنا ہے تو یہ بہت بری رسم ہے۔

اپنے خاندان، برادری والوں کو کھانا کھلانا یقیناً بڑی نیکی ہے جس سے محبتیں بڑھتی ہیں اور دوریاں ختم ہوتی ہیں مگر اس کے لیے اور مواقع ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر بیٹے کی شادی اور ولیمہ کا موقعہ اس کام کے لیے مناسب ترین ہے۔ بیٹی کی شادی کے موقع پر والدین جو لمبے چوڑے انتظامات کرتے ہیں۔ سینکڑوں کے حساب سے مہمان بلائے جاتے ہیں یہ قطعی طور پر غیر مناسب ہے۔ اسطرح کی مثالیں دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہیں۔ اسلامی انداز اپنائیں۔ دین و دنیا کی فلاح پائیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (متفق علیہ)

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف/مفسر کا نام	ناشر
1	تیسیر القرآن	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ	مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور
2	تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ	آرمی ایجوکیشن پریس
3	تفسیر ابن کثیر	ابوالفداء ابن کثیر رحمہ اللہ	مکتبہ قدوسیہ لاہور
4	صحاح ستہ (مشکوۃ)	مترجم مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ	ادارہ احیاء السنۃ گوجرانوالہ
5	اسلام میں حلال وحرام	علامہ یوسف قرضاوی/شمس پیرزادہ	اسلامک پبلی کیشنز لاہور
6	احکام تجارت اور لین دین کے مسائل	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ	مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور
7	الشمس والقمر بحسبان	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ	مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور
8	روح عذاب قبر اور سماع موتی	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ	مکتبہ السلام وسن پورہ لاہور
9	اسلامی خطبات	مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ	المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور
10	علامات قیامت	محمد اقبال کیلانی	حدیث پبلی کیشنز لاہور
11	کتاب الزکاۃ	محمد اقبال کیلانی	حدیث پبلی کیشنز لاہور

مکتبہ السلام کی دیگر شاہکار کتب

تیسیر القرآن (اردو): سلفی منہج کے عین مطابق، منکرین حدیث اور دیگر عقائد باطلہ کا مکمل رد، اور تمام آیات کی صحاح ستہ کی صحیح احادیث کی روشنی میں تفسیر۔ (4 جلدیں)

مترادفات القرآن: مترادفات القرآن کے ذیلی فرق کو مستند کتب لغت اور قرآنی آیات سے واضح کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر قرآن کریم کی اردو میں پہلی لغت ہے۔

آئینہ پرویزیت: پرویزیت کے جواب میں ایک مدلل اور لاجواب کتاب ہے۔

شریعت وطریقت: تصوف کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے، نیز وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کیا ہے؟ اور طریقت کا باطنی نظام کیا چیز ہے؟ اور کیا طریقت شریعت کے تابع ہے یا اس کے متوازی اور اس سے متصادم ایک الگ دین ہے؟

الشمس والقمر بحسبان: اس کتاب میں علم ہیئت، ہجری اور عیسوی تقویم میں دن معلوم کرنے کے طریقے اور 622ء (1ھ) سے لے کر 2252ء (1680ھ) تک کی تقابلی تقویم پیش کی گئی ہے۔

خلافت وجمہوریت: جمہوریت عصر حاضر کا سب سے بڑا بت ہے۔ کتاب وسنت سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اور جمہوریت دو متضاد چیزیں ہیں جن میں اتحاد ناممکن ہے۔

تجارت کے احکام ومسائل: لین دین کے معاملات میں کئی ایسے امور شامل ہو گئے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں اکل حلال کی اہمیت واضح کرنے کے بعد دور حاضر کے جدید معاشی مسائل پر کتاب وسنت کی روشنی میں محاکمہ کیا گیا ہے۔

عقل پرستی اور انکار معجزات: قرآن مجید میں مذکور معجزات کا عقل کی بنیاد پر رد کرنے والوں کی تاویلات اور ان کے عقائد پر بحث کی گئی ہے۔

عذاب قبر اور سماع موتی: متعلقہ موضوع پر نہایت اہم اور معلوماتی کتاب ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے افکار ونظریات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔

احکام ستر وحجاب: اس کتاب میں تہذیب حاضر کا پس منظر، ستر وحجاب کا فرق، چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ اور مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات پر بحث کی گئی ہے۔

اسلام میں دولت کے مصارف: اس میں زائد از ضرورت دولت کی جائز اور ناجائز صورتیں نیز جاگیرداری کی کہاں تک گنجائش اور مزارعت کن صورتوں میں جائز ہے، کی تفصیل ہے۔

نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار: اس میں سیرت طیبہ کا جہادی پہلو اجاگر کیا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پیکر صبر وثبات: اس میں سیرت طیبہ کا دعوتی پہلو بیان کیا گیا ہے۔

بہترین زادِ راہ۔ تقویٰ: نیکی کی رغبت اور گناہ سے اجتناب۔ تعلیماتِ اسلام کا خلاصہ

ناشر: مکتبۃ السلام سٹریٹ 20 وسن پورہ لاہور
فون: 7280943

Designed & produced by: DARUSSALAM Ph: 042-7240024 - 7232400